بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ✡ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

✡ جناب سمیع احمد صاحب ✡ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد: 4	ستمبر 2017ء	ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ	شمارہ: 35

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919

مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120

مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

ماہنامہ ندائے قاسم

Monthly **NIDA-E-QASIM**

Nafees colony, Baripath,

Mahendru, Patna-6

فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زر تعاون: 200/روپیہ

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,

PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,

RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار!	خالد انور پورنوی المظاہری	03
درس قرآن	آزمائشیں ایمان کی نشانی! بارہویں قسط	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	07
درسِ حدیث	ذِکراللہ کی افضلیت واہمیت	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	10
مقالات و مضامین	ماہ محرم کی اہمیت وعظمت!	حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی	12
	بچوں کی تعلیم وتحصیل کے اعتبار سے اس کا تجزیہ	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	15
	عیش وعشرت کے ساتھ قوم کی حالت نہیں بدلی جاسکتی	مولانا نثاراحمد حصیر قاسمی	18
	ازواج مطہرات کی زندگی آج کی ماڈرن خواتین کیلئے نمونہ عمل	غوث سیوانی، نئی دہلی	23
	ذرائع ابلاغ کا آزادانہ کرداراوراسلام	مولانا ابراراحمداجراوی قاسمی	27
	اگست، ستمبر میں فلو کے خطرات اور ہماری ذمہ داریاں	حکیم نازش احتشام اعظمی	41
	سیلاب متاثرین کی مدد کرنا ملی واخلاقی فریضہ ہے	مفتی ابوذر قاسمی	45
	اس ملک میں جو بھی بولے گا مارا جائے گا	صفدر امام قادری	48
	درددل درد آشنا جانے	محمد عباس دھالیوال	51
	برمی مسلمان اور اقوام متحدہ	راحت علی صدیقی قاسمی	53
	تاریخ برما اور مسلم برما	**ادارہ**	56
جمعیۃ علماء بہار	سیلاب متاثرین کیلئے جمعیۃ علماء بہار کی خدمات	**ادارہ**	60
بھاگلپور	مدنی مسجد معہد ارشد بھاگلپور کے چھت کی ڈھلائی	**ادارہ**	62
شب وروز	جامعہ میں تعطیل عیدالاضحیٰ کے بعد تعلیم کا آغاز	**ادارہ**	63

e-mail:-.nedaequasim@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!

کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448

e-mail:-mahjoodom@gmail.com

اداریہ

روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار!

خالدانورپورنوی المظاہری

ربِ کعبہ کی قسم! تم انسان نہیں ہوسکتے، اور نہ وہ انسان ہیں جو تمہیں انسان سمجھ رہے ہیں، تمہاری شکل وصورت بھلے ہی انسانوں جیسی ہو، مگر تم درندوں کی ناجائز اولاد ہو، جنگل میں رہنے والے خونخوار جانوروں سے بھی تم بدتر ہو، بلکہ چیڑ پھاڑ کرنے والے جانور بھی تمہارے پاپ اور ظلم وستم کے واقعات دیکھ کر شرمارہے ہیں، انسانیت کراہ رہی ہے؛ مگر تم ہو جو معصوموں کو مارتے ہو، بچوں کو قتل کرتے ہو، بزرگوں، نوجوانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھاتے ہو، دوشیزاؤں کی عزت کو تار تار کرتے ہو اور حد تو یہ ہے کہ پھر بھی اپنے آپ کو انسانیت کے بہت بڑے ہمدرد سمجھتے ہو، اور اس مذہب کے دعویدار ہو جس کے یہاں چیونٹی کے قتل کو گناہ سمجھا جاتا ہے، لعنت ہے تم پر، ایک بار نہیں، ہزار بار لعنت!

دنیا کے ظالم قوموں نے تمہارا، تمہاری قوم کا اور تمہاری فوج اور بربریت کا مظاہرہ کرنے والی پولیس کا جو بھی نام دیا ہو؛ مگر ہماری اور دنیائے انسانیت کی نظر میں تم لوگ سب سے بڑے آتنگ واد، سب سے بڑے دہشت گرد ہو اور سب سے بڑے ظالم ہو۔ گناہ اور پاپ کرتے کرتے تم سب گناہ اور ظلم کرنے کے عادی ہوچکے ہو، شاید اسی لئے تمہیں، تمہارے فوجی قاتل اور درندے پولس کو ذرہ برابر شرم نہیں آتی ہے، طاقت کے نشہ میں اتنے چور ہوگئے کہ نہتے معصوموں، گود میں کھیلنے والے بچوں، نوجوان لڑکے، لڑکیوں کو چن چن کر قتل کررہے ہو، اور ان کے گھروں کو نذرِ آتش کردیتے ہو، پتہ نہیں کس طرح تمہیں سکون ملتا ہے؟ اور کیسے تمہیں نیند آتی ہے، برمی مسلمانوں پر مظالم دیکھ کر ہماری تو چیخیں نکل جاتی ہیں، موبائل اور کمپیوٹر کی اسکرینیوں پر دیکھنے کی ہمارے اندر سکت نہیں ہے!

جی ہاں! پوری دنیا میں میانمار ایک ایسا ملک بن گیا ہے جو اپنے شہریوں کو شہریت دینے سے انکار کرتا ہے، مذہبی عناد اور اسلام دشمنی کی وجہ سے برسوں سے روہنگیا مسلمان اپنی ناکئے کی سزا کاٹ رہے ہیں، سرکاری کارندوں، عملوں اور حکومتی پولیس اور فوجی قاتلوں کے ذریعہ غریب مسلمانوں کے گھروں کو نذرِ آتش کیا جاتا ہے، ماں سے لپٹ کر، چمٹ کر دودھ پیتے بچوں کو زمین میں پٹک کر پیروں تلے روندا جاتا ہے، جن بچیوں کی عمریں اسکول جانے کی تھیں، ماں باپ کے سامنے ان کا ریپ کیا جاتا ہے، ماؤں اور بزرگوں کو عزت دینے کے بجائے انہیں دھتکارا جاتا ہے، دوڑا دوڑا کر گولیوں سے بھونا جاتا ہے، اور پھر بھی یہ مظلوم ترین قوم تمہیں آتنگ واد نظر آتے ہیں۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق روہنگیا مسلمان دنیا کی مظلوم ترین اقلیت ہیں، تبت بدھ مذہب کے روحانی پیشوا دلائی لامہ بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے واضح طور پر کہتے ہیں: یہ بدھ مذہب کی تعلیمات کے خلاف ہے، انہوں نے تشدد کی وجہ سے فرار ہونے والے روہنگیا مسلمانوں کیلئے دنیا والوں سے مدد کی اپیل بھی کی، اور انتہائی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر مظالم برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے؛ مگر اس کے باوجود میانمار کی ڈائن اُلٹے روہنگیا مسلمانوں پر ہی تشدد کا الزام لگانے میں مصروف نظر آرہی ہے۔ اقوام متحدہ سے لیکر دیگر عالمی اور انسانی برادری اب تک حرکت میں نہیں آئی ہے، اور آئیگی بھی نہیں، اس لئے کہ ظلم نہتے اور غریب مسلمانوں پر ہورہا ہے۔

اگر ظلم کی یہ داستان ایک دن، دو دن، مہینہ دو مہینہ، یا چند سالوں پر محیط ہو، تو برداشت ممکن بھی ہے؛ مگر یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ 80/سالوں سے ان پر مسلسل ظلم ہورہا ہے، "مسلم مٹاؤ پالیسی" کے تحت انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی پوری کوششیں ہورہی ہیں، انہیں نقلِ مکانی پر مجبور کیا جارہا ہے، جو باقی ماندہ ہیں، قابل رحم حالت میں زندگی جینے پر مجبور ہیں، ان کے بچے ننگے بدن، ننگے پیر، بوسیدہ اور پھٹے پُرانے کپڑے زیب تن کئے ہوئے دنیائے انسانیت سے فریاد کررہے ہیں، نہ مسجدیں محفوظ ہیں، نہ مدارس، لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان پر پابندی، شادی پر پابندی، لڑکیاں 25/سال قبل اور لڑکے 30/سال قبل شادی نہیں کرسکتے، ابھی گذشتہ سال جون کے اوائل میں 10/علماء کرام کے جسموں کو چاقوؤں سے چھلنی کردیا گیا، ان کی زبانیں رسیوں سے باندھ کر کھینچ لی گئیں، وہ تڑپ تڑپ کر شہید ہوگئے، جرم یہ تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں کے بیچ دعوت وتبلیغ کا اہم فریضہ انجام دے رہے تھے اور جب مسلمانوں نے علماء کرام کی بے حرمتی کے خلاف احتجاج کیا تو بدھشت دہشت گردوں کی جانب سے درندگی کا مظاہرہ شروع ہوگیا، ایک بستی میں آگ لگادی، جس میں 800/گھر تھے، پھر دوسری بستی کا رخ کیا جس میں 700/گھر تھے، اسے بھی جلا کر خاکستر کردیا گیا، پھر تیسری بستی کا رُخ کیا، جہاں 1,600/گھر تھے، اسے بھی آگ کے حوالہ کردیا، فوج اور پولیس اس قتل عام میں مکمل شریک رہی، جان کے خوف سے 9/ہزار لوگوں نے بَری اور بحری راستہ سے بنگلہ دیش کا رخ کیا؛ مگر بنگلہ دیش حکومت نے پناہ دینے سے انکار کردیا۔ اس طرح کے ہزاروں واقعات ہیں، اب تک صرف فوجی آپریشن 14/بار ہوچکا ہے؛ مگر افسوس ہے کہ دنیا کے مسلم حکمراں ابھی تک نیند کی گولیاں کھا کر اپنی نیند پوری کرنے میں لگے ہیں!

❁ ❁ ❁

برما جسے اب میانمار کہا جاتا ہے، جنوب مشرق ایشیاء کا ایک چھوٹا سا ملک ہے، جس کا ساحلی علاقہ خلیج بنگال سے بحیرہ انڈمان تک پھیلا ہوا ہے، برما کا کافی حصہ سمندر کے کنارہ پر واقع ہے، برما کے جنوب مشرق میں

تھائی لینڈ، مغرب میں لاوس، شمال مشرق میں چین، شمال مغرب میں ہندوستان کی چار ریاستیں ارونا چل پردیش، ناگالینڈ، منی پور، اور میزورم اور مغرب میں بنگلہ دیش واقع ہے۔ اسی ملک کے جنوب میں ایک شہر رنگون بھی ہے، جہاں ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو 1857ء کی جنگ آزادی میں شریک ہونے کی وجہ سے قید کر دیا گیا تھا، جن کی قبر آج بھی وہاں موجود ہے اور انگریزوں کی سفاکی کی یاد دلاتی ہے۔

برما کی کل آبادی 5/کروڑ 60/لاکھ کے قریب ہے، جس میں 89/فیصد بودھی، 4/فیصد مسلمان، 4/فیصد عیسائی، 1/فیصد ہندو اور 2/فیصدی دیگر قومیں ہیں، برما کے علاقہ اراکان اور بنگلہ دیش کے علاقہ چاٹگام میں رہنے والے مسلمانوں کو روہنگیا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ رقبہ کے اعتبار سے اس ملک کی آبادی بہت ہی کم ہے، اس کی وجہ مسلمانوں کا قتل عام اور ملک میں امن وسلامتی کا فقدان بتایا جاتا ہے، حکومتی سطح پر 4/سے 5/فیصدی مسلمانوں کی آبادی بتائی جاتی ہے، مگر ایک اندازہ کے مطابق پانچ کروڑ آبادی میں سے 50 سے 80/لاکھ مسلمان ہیں، جن میں سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ سعودی، بنگلہ دیش، کراچی اور کچھ ہندوستان میں پناہ لئے ہوئے ہیں اور اب بھی چار لاکھ سے زائد صرف بنگلہ دیش میں کیمپوں میں ہیں، جہاں وہ موت وحیات کی کشمکش میں جی رہے ہیں، اور وہ بنیادی حقوق سے بھی محروم ہیں۔ ہاں یہ خوشی کی بات ہے کہ ترکی، سعودی حکومت نے بنگلہ دیش کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے، مگر ظاہر ہے جب تک مظبوطی کے ساتھ برما کے مسلمانوں کے حق شہریت کا مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے ظلم کا یہ دور جاری رہیگا۔

برما میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کے آثار 1050ء سے ہی ملتے ہیں، برما کا موجودہ صوبہ اراکان وہ سرزمین ہے جہاں عباسی خلیفہ ہارون رشید (809-763) کے زمانہ میں مسلم تاجروں کے ذریعہ آج سے تقریباً بارہ سو سال قبل اسلام پہونچا تھا، مسلمانوں کے معاملات اور اخلاقیات کو دیکھ کر اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر یہاں کی کثیر آبادی نے اسلام قبول کرلیا، اور مسلمان ایسی قوت کے مالک بن بیٹھے کہ 1430ء میں سلیمان شاہ کے ہاتھوں اسلامی حکومت کی تشکیل پائی، اس ملک میں ساڑھے تین سو سالوں تک مسلمانوں نے حکومت کی، مسجدیں بنوائیں، مدارس ومکاتب کھولے گئے، ان کی کرنسی پر **لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کندہ ہوتا، اور اس کے نیچے ابوبکر وعمر وعثمان وعلی (رضی اللہ عنہم) کا نام درج ہوتا تھا۔

اراکان کے پڑوس میں ایک ملک برما تھا، جہاں بدھشٹوں کی حکومت تھی، مسلمانوں کی شان وقوت، بدھشٹوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھنے لگی، اور ان بدھسٹ دہشت گردوں نے 1784ء میں اراکان پر حملہ کر دیا، اس پر قبضہ کر کے اراکان کو برما میں ضم کر دیا، اور اس کا نام بدل کر میانمار رکھ دیا، 1824ء میں برما پر انگریز کا تسلط

ہو گیا، سو سال تک یہ ملک غلام رہا، 1938ء میں آزادی حاصل کی، مگر انگریز نے ان بدہشٹ دہشت گردوں کو ان کا ملک تو دے دیا اور خود مختار بھی دے دی، اور مسلمانوں کے ملک اراکان مسلمانوں کو دینے کے بجائے انہیں ہی دے دیا، آزاد ہوتے ہی بدھشٹوں نے ''مسلم مٹاؤ پالیسی'' پر عمل کرنا شروع کر دیا، جس پر آج تک عمل پیرا ہے، **الجزیرہ** کی رپورٹ کے مطابق اب تک دس لاکھ مسلمان تشدد کی وجہ سے ہجرت کر چکے ہیں!

آخر اس کا حل کیا ہے؟ انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں کہاں ہیں؟ 58/مسلم ممالک کے سربراہان نے اب تک کیا سوچا ہے؟ اس پر سوچنے سمجھنے اور بروقت صحیح فیصلہ لینے کی ضرورت ہے، عام آدمی بھی اپنے آپ میں بڑی طاقت رکھتے ہیں، وہ اگر چاہیں تو ایک انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، انسانیت کی بنیاد پر اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ میانمار سے سفارتی اور معاشی تعلقات بند کر دیں، جس طرح مالدیپ نے کیا ہے، مگر دکھ کی بات یہ ہے ہندوستانی حکومت مظلوم کا ساتھ دینے کے بجائے ظالم کی ہی حمایت میں نظر آتی ہے، گھسے، پٹے لوگ، جو ایک ایک دانہ کیلئے ترس رہے ہیں انہیں یہ دہشت گرد نظر آتے ہیں اور قومی سلامتی کو ان سے خطرہ لاحق ہونے کا ڈھونگ رچا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف افسوس کی بات ہے بلکہ ہندوستان کی صدیوں پرانی تاریخ مسخ ہوتی نظر آ رہی ہے۔

عالمی میڈیا پر ظالموں کا قبضہ ہے، اس لئے مظلوموں کے ساتھ وہ کسی بھی حال میں کھڑے نہیں ہو سکتے ہیں، اس لئے میڈیا سے ہماری ایسی کوئی توقع بھی نہیں ہے، نہ ہم انہیں مجبور کر سکتے ہیں، اور نہ مجبور کرنے کی ہمارے پاس طاقت ہے، مگر سوشل میڈیا کے ذریعہ ہم اگر چاہیں تو مضبوط پلاننگ کے ساتھ ظالموں کے در و دیوار میں ایک کہرام مچا سکتے ہیں، میانمار کی ڈائن کو مجبور کر سکتے ہیں کہ روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار کو سنے اور نسل کشی کے خلاف عملی اقدامات کرے، ورنہ تو عالمی پیمانہ پر تمہاری شبیہ ڈائن سے بھی بدتر ہو جائے گی، مگر اس کیلئے ان لوگوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے جو نسل کشی کے خلاف ہیں، اور انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ان کے سینے میں ہے، وہ سوشل میڈیا میں مہارت رکھتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ انسانیت کا تحفظ ہو سکے۔

نہ صرف برما بلکہ عالمی پیمانہ پر غیر مسلم حکمرانوں کی طرف سے مسلمانوں پر تشدد اور حملے ہو رہے ہیں، دنیا کے سر پر خوفناک جنگ چھا جانے کا اندیشہ نظر آ رہا ہے، مسلمانوں کو دیگر بلاؤں، بربادیوں، اور ہلاکت خیزیوں میں مبتلا کئے جا رہے ہیں، ایسے میں تدبیر، مضبوط پلاننگ، حکمت عملی، دانائی اور فراستِ ایمانی کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر توبہ، استغفار کریں، تعلق مع اللہ قائم کریں، اور قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں، اور جانی، مالی، اور جس طرح بھی ممکن ہو برما کے مظلومین کی مدد آگے آئیں!

خنجر چلے کسی پہ تو تڑپتے ہیں ہم امیر ☆ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

درس قرآن — العنکبوت - بارھویں قسط

آزمائشیں ایمان کی نشانی!

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ (۲۸)

اور ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں نہیں کیا۔ کیا تم مردوں سے بُرا فعل کرتے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو، اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو۔

یہ تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور اپنے چچا کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر مبعوث فرمایا، تا کہ دونوں علاقہ کے لوگ ہدایت پائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ہجرت کر کے شام چلے آئے، اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں شہر سدوم اور اس کے اطراف وجوانب کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔

تشریح: اور ہم نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان والوں نے نہیں کیا۔ یعنی تم مردوں سے بُرا فعل کرتے ہو، یہی بے حیائی کا کام ہے، یہ بُرا فعل تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفرت کرتی ہے، ایسے خلاف فطرت وشریعت کی بنیاد تم نے ڈالی، اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو، اور غضب یہ ہے کہ اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو، جیسے گالی دینا، فحش باتیں کرنا، قہقہے لگانا، شراب پینا، راہ چلنے والوں کو کنکڑیاں مارنا وغیرہ۔ تم اپنی مجالس میں ایسے اقوال وافعال قبیحہ وشنیعہ کا ارتکاب کرتے ہو جن کو ادنیٰ عقل والا بھی پسند نہیں کرتا۔

اس جگہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے تین سخت گناہوں کا ذکر کیا ہے۔ اول مرد کی مرد کے ساتھ بدفعلی، دوسرے قطع طریق یعنی مسافروں پر ڈاکہ زنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں اعلاناً سب کے سامنے گناہ کرنا، قرآن کریم نے اس تیسرے گناہ کی تعیین نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ جو اپنی ذات میں گناہ ہے اگر اس کو علانیہ بے پروائی سے کیا جائے تو یہ دوسرا مستقل گناہ ہو جاتا ہے، وہ کوئی بھی گناہ ہو۔ بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ان گناہوں کو شمار کیا ہے جو یہ بے حیا اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے کیا کرتے تھے، مثلاً راستہ چلتے لوگوں کو پتھر مارنا اور ان کا استہزاء کرنا جیسا کہ اُم ہانیؓ کی ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے،

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بے حیائی ان کی مشہور تھی اس کو وہ کہیں چھپ کر نہیں کھلی مجلسوں میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے، العیاذ باللہ

جن تین گناہوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان سب میں اَشد پہلا گناہ ہے، یعنی مرد کی مرد کے ساتھ بد فعلی۔ جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا اور جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں، باتفاق امت یہ گناہ زنا سے زیادہ شدید ہے اور اہل عقل کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اس گناہ کے متعلق ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ مـن اخـوفِ مـاأخاف علی امتی اوعلیٰ ھذہ الأمة عمل قوم لوط'' ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے، قوم لوط کا عمل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب دو مرد ایسا کام کریں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے، یعنی ان پر زنا کی حد جاری کی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کی سزا کے بارے میں فرمایا: اُسے شہر کی سب سے اونچی عمارت سے گرا کر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہوں نے عرب کے بعض قبائل میں ایک ایسا شخص دیکھا جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے، یعنی ہم جنسی کی جاتی ہے۔ جب یہ خط حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور مشورہ فرمایا، کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ایسا جرم ہے جس کا صرف ایک امت یعنی قوم لوط علیہ السلام نے ارتکاب کیا تھا، تو اللہ نے انہیں ایسی سزا دی جو آپ جانتے ہیں، میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جائے، چنانچہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے بھی اس سے متفق ہوگئی، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ شخص کو جلا دینے کا حکم دیا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا ائْتِنَابِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ (۲۹)　　سو ان کی قوم کا جواب بس یہ تھا ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ، اگر تم سچے ہو!

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت خیر خواہی سے ان کو بہتری کی راہ سمجھائی، فرمایا: کہ ان افعال شنیعہ کے ارتکاب سے اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، قوم نے یہ سن کر جواب دیا کہ اگر افعال شنیعہ کا ارتکاب موجب عذاب ہے، تو آپ ہم پر اللہ کا عذاب لے آیئے، اگر آپ سچوں میں سے ہیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ۝　　حضرت لوط علیہ السلام نے دعاء کی اے مرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب کر دے۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام نے اس جواب سے محسوس کر لیا کہ دلیری اور بے باکی حد کو پہونچ گئی ہے،

اوران کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو جناب باری عزاسمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا میرے پروردگار! اس مفسد قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما، اور اس قوم پر اپنا غضب اور قہر نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعاء قبول کی اور ملائکۂ عذاب کو حکم دیا کہ اس مفسد قوم کو تباہ و برباد کر دیں!

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ (۳۰-۳۱)

ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے تو ان فرشتوں نے کہا: ہم اِس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔

تشریح: حسب حکم وہ فرشتے روانہ ہو گئے۔ دو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا، ایک تو قوم لوط علیہ السلام پر عذاب نازل کریں اور دوسرا یہ کہ عذاب کرنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کے چچا کو اس کی خبر کر دیں کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے جا رہے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کے تولد کی بشارت بھی دے دیں۔ وہ حضرت ابراہیم کے پاس آئے، تو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تولد کی بشارت دی اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور حضرت لوط علیہ السلام تابع تھے، اس لئے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ چونکہ یہ فرشتے انسان کی شکل میں اور بطور مہمان کے آئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مہمان سمجھ کر کھانا تیار کرایا، جب دیکھا کہ یہ لوگ کھانا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے تو یہ گھبرائے۔ اس وقت فرشتوں نے کہا: آپ گھبرائیے نہیں، ہم فرشتے ہیں، اور آپ کے بھتیجہ حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کیلئے آئے ہیں، ہم اس بستی والے کو ہلاک کرنے والے ہیں، اس بستی کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں،، کفر کے علاوہ انواع واقسام کی بُرائیوں میں مرتکب ہیں، فرشتوں کے بشارت فرزند کے علاوہ یہ بشارت دی کہ ہم قوم لوط کو ہلاک کرنے کیلئے جا رہے ہیں، کافروں اور ظالموں کی ہلاکت کی خبر دینا یہ بھی عظیم بشارت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خبر سنی تو گھبرا کر بولے اس بستی میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں، اور وہ ظالمین میں سے نہیں، اس کا کیا ہوگا؟ تو فرشتے بولے آپ گھبرائیں نہیں وہ بستی میں رہتے ہیں، کون ظالم و کافر اور کون مومن وصالح ہے، ہم ضرور بالضرور لوط اور اس کے متعلقین کو عذاب سے بچالیں گے، اور عذاب سے پہلے بستی سے نکال لے جائیں گے، مگر ان کی بیوی باقی ماندہ لوگوں میں سے ہوگی جس پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا وہ بھی اللہ کے عذاب سے ہلاک ہوگی، اس لئے کہ یہ بیوی گرچہ ان افعال شنیعہ میں سے نہ تھی، مگر اس قوم سے محبت رکھتی اور ان سے راضی تھی، لہذا وہ بھی ان ہی کے ساتھ باقی رہے گی۔ ○❖○

درس حدیث

ذِکر اللہ کی افضلیت واہمیت

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرَقِ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ. (متفق علیہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر، تمہارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے، تمہارے درجوں کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے، راہِ خدا میں سونا و چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے، اُس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے اس میں خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں اور خدا کے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارو اور وہ تمہیں ذبح کریں اور شہید کریں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! ایسا قیمتی عمل ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ کا ذکر ہے۔

تشریح: یہ حدیث دراصل قرآن مجید کی آیت ''ولذکر اللہ اکبر'' کی تشریح و تفسیر ہے، بیشک ''ذکر اللہ'' اس لحاظ سے کہ وہ اصلاً و بالذات مقصدِ اعلیٰ اور اللہ کی رضا اور اس کے تقرب کا سب سے قریبی ذریعہ ہے، وہ دوسرے تمام اعمال سے بہتر اور بالاتر ہے اور یہ اُس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص حالت میں اور کسی ہنگامی موقع پر صدقہ اور انفاق لوجہ اللہ یا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک عمل ایک اعتبار سے افضل و اہم ہو اور دوسرے اعتبار سے کوئی دوسرا عمل زیادہ اہمیت رکھتا ہو سے افضل و اہم ہو۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ؟ وَاَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ؟ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! بندوں میں کون سب سے افضل ہے، قیامت میں کس کو اللہ کے ہاں زیادہ بلند درجہ ملنے والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے بندے اور بندیاں۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!

قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمِنَ الْغَازِىْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟قَالَ لَوْضَرَبَ بِسَيْفِهٖ فِى الْكُفَّارِوَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًافَاِنَّ الذَّاكِرَلِلّٰهِ اَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً. (رواہ احمدوالترمذی)

کیاان لوگوں کا درجہ اُس بندے سے بھی اُونچا ہے جوراہِ خدا میں جہاد کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرکسی بندہ نے دشمنانِ حق کی صفوں میں گھس کرتلوار چلائی یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں سے زخمی ہو کرخون میں شرابور ہوگیا، جب بھی اللہ کا ذکرکرنے والا بندہ درجہ میں اُس سے افضل ہے۔(مسنداحمد)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَىْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُاللّٰهِ وَمَامِنْ شَىْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، قَالُوْا وَلَاالْجِهَادُفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَااَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ. (البيهقى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کی صفائی کیلئے کوئی صیقل ہے، اورقلوب کی صیقل ذکر اللہ ہے، اوراللہ کے عذاب سے بچانے اورنجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے، اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں۔لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے ارشادفرمایا: ہاں، وہ جہادبھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہادکرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے۔

تشریح: اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمالِ صالحہ کے مقابلہ میں ''ذکراللہ'' افضل اورعنداللہ محبوب تر ہے۔ بندے کواللہ تعالیٰ کا جوقرب اوراس کی وجہ سے جوسعادت اورشرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ یہ ذکرعظمت اورمحبت وخشیت اوردل کی توجہ کے ساتھ ہو۔اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: ''فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ ''تم مجھے یادکرو میں تم کو یادکرونگا۔اورحدیث قدسی: ''اَنَاجَلِيْسُ مَنْ ذِكَرَنِىْ ''۔ ''وَاَنَامَعَ عَبْدِىْ اِذَاذَكَرَنِىْ وَتَحَرَّكَتْ بِىْ شَفَتَاهُ ''میں اپنے ذکرکرنے والے بندے کے ساتھ اوراس کا ہم نشیں رہتا ہوں۔اورمیرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اوراس کے لب میرا ذکرکرنے سے حرکت کرتے ہیں تو بس اس کے بالکل پاس اورساتھ ہوتا ہوں۔بہرحال قرآن وحدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں ذکراللہ ہی افضل اورعنداللہ محبوب تر اوراس کے قرب ورضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں نماز اورتلاوت قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔ ❖

مقالات ومضامین

ماہ محرم کی اہمیت وعظمت!

حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی (ایم پی) صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی ۲۵

اسلامی اعتبار سے ''ماہ محرم'' کو بڑی فضیلت بخشی گئی اور اس مہینہ کے نفل روزوں کا بہت بڑا ثواب رکھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ تعالیٰ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے'' (مسلم) گویا کہ یہ مہینہ امت مسلمہ کیلئے انتہائی اہم اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ دراصل امت محمد یہ کو بہت سے ایسے مواقع فراہم کئے گئے، جن میں وہ زیادہ سے زیادہ اچھے اعمال کر کے اللہ کے احکامات کی پیروی کر کے گراں قدر انعام واجر کے مستحق بن سکتے ہیں اور اس کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔ نیک اعمال جب بھی کیے جائیں، اللہ کے نزدیک ان کی بڑی اہمیت ہے اور ان پر پورا ثواب ملتا ہے، البتہ اس کے باوجود کچھ اوقات امتِ محمد یہ کیلئے ایسے مقرر کئے گئے، جن میں نیک اعمال کرنے پر مزید کئی گنا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ امت محمد یہ جو آخری امت ہے اسے اس طرح کے مواقع اس لئے فراہم کئے گئے کہ اس امت کے لوگوں کی عمریں سابقہ امتوں کے مقابلے میں کم رکھی گئی ہیں، کم عمری کی وجہ سے عرصۂ دراز تک عبادت خداوندی میں مشغول رہنا ان کیلئے ممکن نہیں۔ اس لئے اس آخری امت کو ایسے مواقع اور اوقات فراہم کر دئے گئے جن میں وہ اپنے نیک اعمال کا کئی گنا اجر وثواب پا سکتے ہیں۔ راتوں میں شبِ قدر اور شبِ برأت جیسی راتیں عطا کر دیں۔ دنوں میں جمعہ کے دن وعاشورہ کو زیادہ افضل قرار دے دیا گیا، تاریخوں میں ذی الحجہ کی بعض تاریخوں کو بڑی فضیلت بخشی گئی اور مہینوں میں ماہ رمضان اور ماہ محرم کو زیادہ مبارک وافضل بنایا گیا۔

احادیث میں ماہ محرم کے بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مہینہ حرمت والے مہینوں میں شامل ہے، سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے ''حرمت والے مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ہیں'' (بخاری شریف) ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ تعالیٰ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے'' (مسلم) اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس مہینہ کو اللہ کا مہینہ کہا گیا ہے اس کی اہمیت کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

ماہ محرم کی اہمیت کی جو وجوہات ہیں ان میں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے۔

پہلا مہینہ ہونے سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ یہ مہینہ اسلام کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ باقاعدہ اسلامی تاریخ و کیلنڈر میں اسے سب سے اول مقام پر رکھا گیا۔دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ انسانی زندگی کے نظام کو (جو شب و روز، مہینوں اور سالوں پر مشتمل ہے) پختگی حاصل ہوتی ہے۔اسلام چونکہ مکمل دین فطرت ہے اور ایسا نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کا کما حقہ احاطہ کیے ہوئے ہے، اس لیے دنوں، راتوں، تاریخوں، مہینوں، سالوں اور وقتوں کے تعین کا بھی اس کے یہاں مکمل نظام ہے۔تاکہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اللہ کے بندے کسی طرح کی الجھن کے شکار نہ ہوں اور لوگوں کے خود ساختہ نظاموں کے محتاج نہ رہیں۔

اسلام کے ذریعہ پیش کردہ دنوں، مہینوں اور سالوں پر مبنی نظام اس بات کا متقاضی ہے کہ تمام مسلمان اپنی زندگی کے شب و روز اسی نظام کے مطابق گزاریں۔لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد کو اسلامی مہینوں یا اسلامی کیلنڈر میں دلچسپی کم ہوتی جارہی ہے اور ان کی زندگی کا نظام قمری نظام سے ہٹتا جارہا ہے۔اب نہ صرف دیگر اقوام بلکہ قوم مسلم بھی شمسی نظام سے مرعوب نظر آرہی ہے اور جیسے ہی شمسی نظام کا کیلنڈر شروع ہونے والا ہوتا ہے، دنیا بھر میں ایک عجیب سا منظر رونما ہونے لگتا ہے، لوگ ایک جنوری سے شروع ہونے والے نئے سال کو منانے کی تیاریوں میں لگ جاتے ہیں، کارڈوں، گفٹوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور بہت سے مقامات پر تفریحی پروگرام بھی منعقد کئے جانے لگتے ہیں۔مسلمان شمسی نظام کو اپنی شب و روز کی زندگی میں اس حد تک ڈھال چکے ہیں کہ اب قمری مہینوں کی طرف ان کا ذہن بھی نہیں جاتا۔ سو لوگوں سے سوال کریں گے کہ آج تاریخ کیا ہے تو بمشکل دو چار کو چھوڑ کر سب لوگ انگریزی مہینہ کی تاریخ بتائیں گے۔اگر مسلم معاشرہ کے افراد سے قمری مہینوں کے نام ترتیب وار پوچھ لیے جائیں تو صحیح جواب سے شاید مایوسی ہوگی۔یہ حقیقت ہے کہ مسلم معاشرہ میں چند فیصد لوگوں کے علاوہ زیادہ تر لوگ قمری مہینوں اور تاریخوں کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے۔نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ وہ بہت سے اہم اوقات سے ناواقف رہ کر محروم رہ جاتے ہیں۔

قمری مہینوں و دنوں سے غافل رہ کر اسلامی نظام کے مطابق زندگی گزارنا اور اسلامی احکامات کی کما حقہ پیروی کرنا مشکل ترین امر ہے۔اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کونسا مہینہ ہے اور کونسی تاریخ ہے یا اس کے بعد کون سا مہینہ آنے والا ہے یا گزرا ہوا کونسا مہینہ تھا، تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ رواں مہینہ کونسا مہینہ ہے، ہم کیسے ماہ رمضان کا تعین کریں گے۔جب ماہ رمضان کا تعین ہمارے لیے مشکل ہوگا تو پھر ماہ رمضان کے روزے جو امت اسلمہ پر فرض کیے گئے ہیں اور جن کو اسلام کے پانچ اہم بنیاد ستونوں میں شامل کیا گیا ہے، ان کا کیا ہوگا؟

کیا یونہی کسی بھی مہینے میں روزے رکھ کر روزوں کی فرضیت کی تکمیل ہو جائے گی؟ ایسے ہی ہمارے لیے یہ طے کرنا بھی مشکل ہوگا کہ عید الفطر کس دن منائی جائے۔ کیونکہ یہ شوال کی پہلی تاریخ کو واقع ہوتی ہے اور ہمیں شوال کے مہینہ کے بارے میں ہی پتہ نہیں کہ کب آئیگا؟ تو عید الفطر کا کیا ہوگا؟ یہی نہیں بلکہ ''حج'' کی ادائیگی کا مسئلہ بھی پیچیدہ ہو جائیگا۔ اس لیے کہ یہ بھی ذی الحجہ کی متعینہ تاریخوں میں ہی ادا کیا جاتا ہے، دیگر دنوں میں نہ حج ادا ہوگا، نہ رمضان کے روزے ادا ہونگے، نہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ منائی جا سکے گی۔ معلوم ہوا کہ اسلامی کیلینڈر مسلمانوں کیلئے ہر زمانہ میں اہم ہے، اس کو نظر انداز کر کے یا اسے بھلا کر اسلامی نظام کو زندگی میں نہیں لایا جا سکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اسلامی کیلینڈر کی مسلمانوں کی زندگی میں اس قدر اہمیت ہے، تب بھی مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ، بلکہ بعض مقامات پر 98 فیصد طبقہ اس سے غافل کیوں ہے؟ اگر بات اسلامی کیلنڈر کی بقاء سے متعلق کی جائے تو اس سلسلہ میں محض مدارس کے اساتذہ، طلبہ اور مساجد کے ائمہ حضرات یا اسلامیات میں گہری دلچسپی رکھنے والے ہی تسلی بخش معلومات رکھتے ہیں، ان حضرات کو مہینوں کی بابت بھی اور تاریخوں کی بارے میں بھی معلومات ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ بہت ہی کم لوگ ایسے دکھائی دیتے ہیں، جنہیں اس سلسلہ میں جانکاری ہو۔ جب کہ یہ کسی ایک کی ضرورت نہیں، سب کی ضرورت ہے۔

محرم کے مہینہ کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں لڑائی، جھگڑا، فتنہ وفساد سے پورے طور سے بچا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر ایام یا مہینوں میں لڑائی جھگڑا کرنی کی اجازت ہے، بلکہ اسلام میں تو ہر روز اور ہر وقت فتنہ وفساد اور قتل وغارتگری سے اجتناب لازمی ہے، مگر مذکورہ چار مہینوں میں، خاص طور سے ہر طرح کی بدامنی سے بچنے کی ضرورت ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ان مہینوں کا احترام کیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مہینہ امن کا پیغام بھی دیتا ہے، جو بڑی اہم بات ہے۔ امن ہر دور میں لوگوں کیلئے ضروری رہا ہے۔ خاص طور سے موجودہ زمانہ میں جب کہ ہر جگہ بدامنی کی فضا بنی ہوئی ہے، زیادہ سے زیادہ امن و سکون کے پیغام کو عام کرنے کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس ماہ کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اس مہینہ میں روزے رکھے جائیں، کیونکہ اس میں روزے رکھنے کا حدیث میں بڑا ثواب بتایا گیا ہے، بلکہ ماہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزے اسی ماہ کے بیان کیے گئے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ مہینہ امت مسلمہ کیلئے نیکی کمانے کا ایک سنہری موقع ہے اور چونکہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد ہی رضائے الٰہی ہے، اس لیے رضائے الٰہی کے حصول کا جو بھی طریقہ ہو سکتا ہے، مسلمانوں کو اسے اختیار کرنا چاہئے۔ ❍❖❍

بچوں کی تعلیم و تحصیل کے اعتبار سے اس کا تجزیہ

جناب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب

ملت اسلامیہ ہند کے بچوں کا تعلیم و تحصیل کے اعتبار سے اگر تجزیہ کیا جائے تو بلا مبالغہ تیس فیصد بچے ایسے ملیں گے جنھوں نے زندگی میں اسکول یا مکتب کا منھ تک نہ دیکھا ہوگا، باقی ستر فیصد میں پینسٹھ فی صد بچے اسکول، کالج وغیرہ عصری تعلیم گاہوں کا رخ کرتے ہیں جن میں تقریباً نصف یا اس سے کچھ زائد میٹرک اور ہائی اسکول تک پہنچتے پہنچتے بہ چند وجوہ تعلیمی مشغلہ کو خیر باد کہہ کر گھر لوٹ آتے ہیں، بس لگ بھگ تیس فیصد ہی اعلیٰ تعلیم کیلئے بڑی درسگاہوں تک پہنچتے ہیں۔ بقیہ مشکل سے چار پانچ فی صد بچے دینی مدارس میں داخل ہوتے ہیں پھر ان میں ایک تعداد ایسے بچوں کی ہوتی ہے جن کے والدین اپنی معاشی کمزوری کی بنا پر عصری تعلیم گاہوں کے بارِگراں کے متحمل نہیں ہوتے؛ اس لیے انھیں دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، وغیرہ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں، جہاں سے فارغ ہوکر وہ طبّی جامعات یا ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہوجاتے ہیں جہاں مدارس کی سند پر داخلہ مل جاتا ہے، جو اسی مقصد وارادہ سے مدارس دینیہ میں داخلہ لیتے ہیں۔

یہ مسلم بچوں کی تعلیمی سرگرمیوں کا ایک سرسری نظری تجزیہ ہے جس میں کمی بیشی کی گنجائش سے انکار نہیں؛ لیکن غیر معمولی تفاوت یقیناً نہیں ہوگا۔ اس تجزیاتی تفصیل کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ بہی خواہان ملت اور دانشوران قوم سب سے پہلے ملت کے ان تیس فیصد نونہالوں کی فکر کرتے جو پرائمری اسکول کی تعلیم تک سے نابلد ہیں اور ان اسباب وعوامل کا پتہ لگاتے جن سے مجبور ہوکر ان کے والدین انھیں علم و ہنر سے آراستہ کرنے کی بجائے ان پڑھ اور جاہل رکھنے کو ترجیح دے رہے ہیں پھر اپنے فکر و عمل کو بروئے کار لاکر ان رکاوٹوں کو دور کر کے ان بچوں کو اسکول تک پہنچانے کی سعی مشکور کرتے، پھر دوسرے مرحلہ میں ان تیس چالیس فیصد مستقبل کے متوقع معماروں کو اپنی مخلصانہ توجہ کا مرکز بناتے جو منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں، اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے ان وجوہ واسباب کی تشخیص و تعیین کی جاتی جن سے متاثر ہوکر ہمارے مستقبل کے یہ متوقع معمار اور روشن چراغ بڑی حد تک راستہ طے کر لینے کے باوجود

آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں، پھر دانشورانہ جدوجہد سے انھیں ایسا سازگار ماحول مہیا کیا جاتا کہ راہ کی تکان محسوس کیے بغیر وہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہتے۔

لیکن نہ جانے کیوں اس منطقی ترتیب کو پس انداز کرکے قوم کے بہی خواہوں اور دانشوروں کی تمام تر فکری و قلمی توانائیاں ان چار پانچ فیصد بچوں کے مستقبل کو تابناک اور روشن بنانے کی تجویزوں پر صرف ہورہی ہیں جو دینی درسگاہوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اب اسے قوم کی محرومی بلکہ بدقسمتی سے تعبیر نہ کیا جائے تو پھر کیا کہا جائے کہ ہمارے وہ ستر فیصد نونہال جو تعلیمی تربیت گاہوں سے دور ہوکر در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں وہ تو اپنے ہمدردوں و بہی خواہوں کی نگاہ التفات سے یکسر محروم رہیں اور ان کی ساری توجہات کا مرکز وہ چار پانچ فیصد بچے بن جائیں جو بلاشبہ تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں سے وابستہ ہیں ع

میں ادھر تھا منتظر کرم کہ نگاہ ناز ادھر پڑی

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آپ کسی ہندی یا اردو اخبار کو اٹھا لیجیے آپ کو اس میں کسی نہ کسی دانشور مفکر قوم کا آرٹیکل، مراسلہ یا تقریر کا اقتباس دینی مدرسوں کی اصلاح سے متعلق ضرور پڑھنے کو مل جائے گا؛ چنانچہ ابھی چند ہفتے گذرے ہیں کہ ملک کے ایک عظیم عصری دانش گاہ کی عظیم ترین شخصیت نے بھی مدارس کی جدید کاری کے نام سے موجودہ مدارس کی خدمات کو بے وقعت بلکہ مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں حائل خلیج ٹھہرایا ہے۔ گویا ان کی نظر میں قوم مسلم کی زبوں حالی اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی پس ماندگی کے تمام تر ذمہ دار یہی قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اور ان کی درسگاہیں ہیں، قوم کے بہی خواہ ان دانشوروں میں بعض تو اپنی تہ داریوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے اشارے کنائے میں اور بعض اپنی ظفر مندیوں کے زعم بیجا میں کھل کر مدارس دینیہ اور ان میں پڑھنے پڑھانے والے طلبہ واساتذہ کو قوم وملت پر بوجھ ہونے کا طعنہ دینے میں کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے اور ملت کو اس بار گراں سے سبکدوش کرنے اور قوم کو فلاح کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے بے چین ہیں کہ ان دینی درسگاہوں کو کم از کم نیم عصری تربیت گاہوں میں تبدیل کردیا جائے؛ تاکہ ملت کے نونہال یکسو ہوکر تہذیبِ نو سے پورے طور پر فیض یاب ہوسکیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کو اپنی تمدنی زندگی کیلئے اگر انجینئر، ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر اور سائنسداں کی احتیاج ہے جس کا حصول عصری تعلیم گاہوں کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے، تو کیا مسلم معاشرہ کو اپنے دین و

مذہب کی بقاء اور حفاظت کیلئے علوم شریعت کے حاملین اور اسلامی تعلیمات کے ماہرین کی ضرورت نہیں؟ رب کائنات کے اس فرمان کے مطابق ''فَلَولاَ نَفرَ مِن کُلِ فِرقَةٍ مِنھم طَائِفةٌ لِیَتَفَقّھُوا فی الدِین وَلِینذِروا قومَھم اذا رجعُوا لَعَلَّھُمْ یَحذَرُوْنَ ''اسلامی معاشرہ میں ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو اسلامی تعلیمات واحکام کی ماہر ہو، اور کون نہیں جانتا کہ جماعتِ مسلمین کے اس اجتماعی فریضہ کو یہی اسلامی علوم کے مراکز انجام دے رہے ہیں۔ اور بغیر کسی تردد کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس لادینی اور سیکولر اسٹیٹ میں اسلامی شعار وآثار کے محافظ ونگراں یہی دینی مدارس ہیں، انھیں کی جدوجہد اور سعی وعمل سے ہمارا مذہبی تشخص اور دینی ورثہ جو اپنے آباء واجداد سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے غیروں کی دست وبرد سے محفوظ ہے۔ مدارس کا یہی کردار اسلام دشمن طاقتوں کیلئے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ اسلامی تعلیمی اداروں کو ان کے اصلی کردار سے محروم کردینے کیلئے یورپ وامریکہ کی زیر سرپرستی بین الاقوامی سطح پر مہم جاری ہے، مدارس دینیہ اور ان کے خدام، ان دین مخالف طاقتوں کے الزام بیجا اور ستم ناروا کو جھیلتے ہوئے اپنی وسعت وطاقت کے مطابق تحفظ دین کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔ ایسے حالات میں جبکہ اسلام، اسلامی تعلیمات و روایات، اور ان کے علمی وثقافتی اداروں پر ہر طرف سے پیہم حملے ہو رہے ہیں ہمارے ان بہی خواہوں اور ملت کے دانشوروں کا مدارس اسلامیہ کی اصلاح وتہذیب کے نام پر یہ موجودہ قلمی جہاد بے وقت کی شہنائی ہے یا بت سحر آفریں کی کارفرمائی۔ خدا ہی بہتر جانے۔

بگولے اس لیے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر
کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

❍❖❍

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے، یں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کر: '''اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلیٰ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ''اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی، اور اپنی اچھی عبادت کی۔ (سنن ابی داؤد)

عیش وعشرت کے ساتھ قوم کی حالت نہیں بدلی جاسکتی

نثار احمد حصیر قاسمی، سکریٹری جنرل اکیڈمی آف ریسرچ اینڈ اسلامک اسٹڈیز حیدرآباد

دین ومذہب کی مثال مدرسہ کی سی ہے جہاں بچوں کو خوبیوں کی تعلیم دی جاتی اوراچھائیوں اورنیکیوں کا خوگر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مذہب اسلام ایسی ہی درسگاہ کی طرح ہے جو اپنے ماننے والوں کو نیکیوں، بھلائیوں اورحسن اخلاق کا خوگر بناتی اورتہذیب وتمدن اورعمدہ عادات واطوار سے آراستہ کرتی ہے، وہ بچپن سے اس کی تربیت کرتی اورقدم قدم پر اس کی رہنمائی کرتی ہے تاکہ انسان کی نشوونما اس طرح ہو اوروہ اس حال میں بڑا ہو کہ اس کے اعمال واقوال تعامل وسلوک، بات چیت، کردار وطرز عمل اوراس کے سارے حرکات وسکنات اورزندگی کے تمام میدانوں وگوشوں میں پختگی آچکی ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دین حنیف کا ہر ماننے والا کمال انسانی کے پورے پورے حصے کو پانے والا ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب اسلام کا مقصد اپنے ماننے والوں کو انسانیت کے عروج تک پہنچانا ہے، اس دین حنیف کی مثال ایک ہاسپٹل جیسی ہے، جس میں ہر انسان شریک ہوسکتا ہے، ہر کوئی یہاں علاج حاصل کرتا اور بیماری کی مناسبت ونوعیت کے اعتبار سے اس کا علاج کیا جاتا ہے وہ اس ہاسپٹل میں شریک رہتا اوراس علاج سے مستفید ہوتا ہے پھر وہ بیماری سے شفایاب ہوکر یہاں سے ڈسچارج ہوتا ہے، کسی کا علاج چند دنوں کا ہوتا اورکسی کو مہینوں اس میں برقرار رہنا پڑتا ہے، کسی کی بیماری معمولی ہوتی اورکسی کی خطرناک، مگر سب کا علاج ہوتا اورعموماً اللہ کے فضل سے سب یہاں سے شفایابی وصحت پاکر نکلتے ہیں، مگر صحت کے باوجود عافیت میں ہر کوئی یکساں نہیں رہتا، کسی کو مکمل عافیت حاصل ہوتی اورکسی کو کم، کوئی اس طرح نکلتا جیسے اُسے کوئی بیماری لاحق ہی نہ ہوئی ہو اورکوئی پوری زندگی کمزوری ولاغری اور پرہیز ودوا کے سہارے جیتا ہے؛ لیکن اگر کسی کو بیماری لاحق ہوجائے اوروہ علاج کرانا نہ چاہے، دوا استعمال کرنے سے انکار کردے اور ہاسپٹل میں شریک رہنے کے باوجود ڈاکٹروں کے مشورہ پر عمل نہ کرے اور ہزار سمجھانے کے باوجود دواؤں اورعلاجوں کے استعمال سے جی چرائے اوراپنی ضد پر اڑا رہے تو کیا اُسے شفایابی حاصل ہوسکتی ہے؟ کیا یہ ہاسپٹل جہاں سب کا علاج ہوتا ہے، اس بیمار کو کام آسکے گا، کیا اس کے اس حماقت کی وجہ سے ہاسپٹل کے

دروازے اس پر بند نہیں ہوں گے؟ کیا ڈاکٹر اس کی ضد سے مایوس ہوکر اسے باہر نہیں کر دیں گے؟ اسی طرح اسلام اپنے ماننے والوں کیلئے ہر طرح کی دوا اور ہر طرح کا علاج فراہم کرتا ہے، اس کے دل کی بیماریوں کو دور کرنا چاہتا ہے، اسے صحت مند دیکھنا چاہتا ہے، ہر طرح کی اندرونی بیماری سے اسے پاک کرنے کی سعی کرتا ہے، لیکن اس دین کا ماننے والا اگر ان دواؤں اور علاجوں کو استعمال کرنے سے انکار کردے وہ اس دین حنیف کے ڈاکٹروں کی بات ماننے سے اپنا کان بند کرلے اور وہ اپنی بیماری کے ساتھ زندگی گذارنے پر اڑا رہے تو فطری طور پر اسے اللہ کی رضا وخوشنودی سے دور کر دیا جاتا، اس پر اللہ کی عنایتوں کے دروازے بند ہو جاتے اور وہ اللہ کی رحمتوں سے بہت دور ہو جاتا ہے اور وہ اس مقام تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے جو مقام اس کیلئے بنایا گیا تھا، کیونکہ اس مقام تک مفسدین ومحرومین اور خواہشات نفسانی کے طلبگار نہیں پہنچتے اور نہ ہی زمین میں برتری جتانے اور تکبر کرنے والے اور دوسرے بندوں کو حقیر جاننے والے پہنچتے ہیں۔

دین وایمان اللہ رب العزت سے ایسا تعلق ہوتا ہے جو ایسے ایمان والوں کو بلندیوں تک پہنچاتا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو شر وفساد کی گندگی اور معاصی وگناہ کے جذبات سے صاف کر رکھا ہو اور اپنی روح کو پاک اور اپنے باطن کو نکھار رکھا ہو، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روحانی بلندی اور صفاء قلبی یوگا جیسے ورزشوں کے ذریعہ یا مراقبہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے خواہ اس کا ایمان اللہ پر ہو یا نہیں وہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام کائنات اور اس کی قدرت وکرشمہ سازیوں میں غور وفکر کرنے والا ہو یا نہ ہو، اس کی نشانیوں میں تدبر کرنے والا ہو یا نہ ہو، نماز قائم کرتا اور زکوۃ ادا کرتا ہو یا نہ ہو، اس طرح کا تصور جن لوگوں کا ہے درحقیقت وہ دھوکے میں ہیں اللہ کے پرہیزگار بندوں میں نہ ان کا کوئی مقام ومرتبہ ہے نہ کوئی وزن بلکہ وہ گمراہی میں پڑے ہوئے اور شیطان کے اسیر بنے ہوئے ہیں؛ کیونکہ انسان اور انسانیت کے کمال کا پہلا اور بنیادی ستون اللہ پر ایمان رکھنا، اس کی الوہیت وربوبیت کا اقرار کرنا اس کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ پر یقین رکھنا اور ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھنا ہے کہ اللہ ہی خالق ورازق ہے، اسی کے سامنے جھکنا، اسی سے مدد طلب کرنا، اسی کے اتارے ہوئے کلام سے فیصلہ طلب کرنا اور ہر مشکل کا حل اسی میں تلاش کرنا ہے، سچا مسلمان اپنی کتاب ہدایت سے مربوط وبندھا ہوتا اور اس کا رشتہ سنت نبوی سے جڑا اور مستحکم ہوتا ہے کہ اس سنت نبوی نے ہی قرآنی احکام کو نافذ کیا اور اس کے مقاصد کو اجاگر کیا ہے، اسی نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو قرآنی

ہدایات سے مستفید ہونے اوراس کی روشنی سے اجالا حاصل کرنے کے قابل بنایا ہے۔

سچے مسلمان کا ضمیر کبھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت وہ اسے یاد رکھتا ہے، وہ صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی اللہ کے سامنے کھڑا ہوجاتا اور اس سے رہنمائی طلب کرتا اور اس کی عطا وبخشش کا طلبگار ہوتا ہے اس کا یہ عمل صبح صبح اس وقت ہوتا ہے جب کہ ابھی وہ زمین کے گوشوں میں پھیلے ہوئے رزق کو تلاش کرنے اوراس کی جدوجہد میں مصروف ہونے کے لئے اپنے گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا ہے، پھر جب وہ گھر سے نکلتا اوراللہ کو یاد کرتے ہوئے دن گذارتا اور شام میں تھکاماندا گھر لوٹتا ہے، تو اللہ کی رحمتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

''**من امسی کالا من عمل یدہ بات مغفور لہ**'' جو شخص اپنے ہاتھ کے عمل سے بوجھل ہوکر شام کرتا ہے وہ اس حال میں رات گذارتا ہے کہ اس کی مغفرت ہوچکی ہوتی ہے۔اب وہ شام میں اپنے بستر پر جانے سے قبل پھر اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا اور عشاء کی نماز ادا کرتا ہے اس طرح اپنے عمل کا آغاز اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر اوراس کا اختتام بھی اسی طرح کھڑے ہوکر کرتا ہے سچا مسلمان ایسا ہی ہوتا ہے، اس کے سوا اوراس کے برخلاف جو بھی ہوتا وہ نام کا تو مسلمان ہوسکتا ہے صحیح معنوں میں وہ مسلمان نہیں، بہت سے انسان جنہیں پالتو جانور بھی کہا جاسکتا ہے، کا کہنا ہے۔''**ماظن الساعۃ قائمۃ**'' ہم قیامت آنے پر یقین نہیں رکھتے ،کوئی کہتا ہے:'' **ان ھی ارحام، تدفع وارض تبلع وما یھلکنا الا الدھر**'' یہ انسانی زندگی تو بس یہ ہے کہ رحم مادر ہمیں اس دنیا میں پھینک دیتی اور پھر یہ زمین ہمیں نگل لیتی ہے، اور ہمیں تو گردش ایام ہی ہلاک کرتا ہے۔اور کچھ وہ ہیں جو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اس دنیا سے جانے کے بعد انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اوراس دنیوی زندگی کے علاوہ کوئی اور زندگی نہیں ہے۔''**واقسموا باللّٰہ جھدا ایمانھم لایبعث اللّٰہ من یموت**'' وہ لوگ بڑی سخت سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو اللہ تعالی زندہ نہیں کرے گا۔(النحل 38) اس دنیا میں عام انسان اور محکوم بھی ہیں اور بادشاہ وحکمراں بھی، قائدین اور لیڈران بھی ہیں اور بھلے وبرُے بھی ہر ایک کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اوران سے ہر ہر نقل وحرکت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی اس زندگی کے لئے جنہوں نے مکمل تیاری نہیں کی ہے ان کی حالت بڑی بری اورافسوسناک ہوگی۔اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:''**رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ یوم القیامۃ**'' بہت سے دنیا میں باللباس ہیں، جو قیامت کے دن بے لباس ہوں گے، آج دنیا میں مسلمانوں کی اکثریت

اپنے دین سے منحرف نظر آرہی ہے، انہوں نے اپنا رشتہ دین سے منقطع کر رکھا ہے، وہ دین وایمان اور اسلامی شریعت کی بات تو نہیں مانتے اور نہ اس کے کسی حکم پر عمل کرتے ہیں، مگر بڑے بھونڈے انداز میں بات بات پر ان شاء اللہ، بارک اللہ، اللہ یعافیک، ماشاء اللہ، اللہ تیرا بھلا کرے، اللہ تجھے خوش رکھے، اللہ نے چاہا تو، یا اس طرح کے کلمات اپنی زبانوں سے ضرور ادا کرتے ہیں جبکہ انہیں نہ اللہ پر یقین ہوتا اور نہ اس کے احکام کا پاس ولحاظ ہوتا ہے انہوں نے زندگی میں کبھی مسجد کا رخ نہیں کیا، ان کا دل ویران اور اللہ کی یاد سے بالکل خالی ہے، اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح ان کی ذمہ داری ہے، چاہے یہ اصلاح سراپا ضلال وفساد ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنے الحاد واباحیت پسندی کے ذریعہ دیندار اور پابند شریعت مسلمانوں کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں، اور خواہش رکھتے ہیں کہ سارے مسلمان اپنا رشتہ اللہ سے توڑ کر ان کے جیسے بن جائیں، جہاں زندگی کے لئے نہ کوئی قید وبند ہو نہ کوئی رکاوٹ، نفس جو بھی کہے آنکھ بند کر کے اس کی تکمیل کی جاتی رہے۔''**اولئک کالانعام بل هم اضل**'' وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس دنیا میں جب کوئی شخص کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو اس شخص کو اس کا احسان مند ہونا پڑتا ہے، اور جو کوئی احسان فراموشی کرتا ہے اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور اس کے لئے دل تنگ ہو جاتا ہے، اسی طرح خالق کائنات جس کے احسانات پیدائش سے موت تک، صبح سے شام تک ہر لمحہ وہر گھڑی انسان پر ہوتے رہتے ہیں اس محسن کی احسان فراموشی بھی موجب تحقیر بنتی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی شریعت اتار کر اور اپنے پیارے نبی کو مبعوث کر کے ہمیں بتادیا ہے کہ ہمیں زندگی کس طرح گذارنی ہے۔

اسلام اور کفر کی لڑائی روز اول سے جاری ہے، تاریخ کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں یہود ونصاری نے ہمارے خلاف جنگ نہ چھیڑی ہو، ان کی ریشہ دوانیا اور ہمیں ختم کرنے کی تدبیریں کبھی نہیں رکیں، انہوں نے ہمارا شکار کرنے کیلئے اخیر کے زمانہ میں ہمارے گرد جو جال بچھایا ہے ان میں سے ایک حد سے زیادہ لذتوں اور خواہشات نفسانی کی تکمیل ہے انہوں نے ہمارے عوام وخواص کو عیش وعشرت کے ہر ممکنہ ساز وسامان فراہم کر کے انہیں بے دست وپا اور نکما بنادیا اور وہ اپنی عیاشی میں ڈوب کر ان کے اسیر بن گئے ہیں، اب وہ ان سے جو چاہتے ہیں کراتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ دوسرے مسلمانوں کا قتل کراتے اور اس پر ایوارڈ تقسیم کرتے ہیں اس مغربی افکار کی یلغار نے دین حق کے نشانات کو مٹادیا اور اس کی جگہ ہمیں ایسے رسم

ورواج اور عادات واطوار کا خوگر بنادیا ہے جس کے بارے میں ہم گمان کر بیٹھے ہیں کہ یہ بھی ہمارے دین کا حصہ ہے یا ہمارے دین سے ہم آہنگ ہے، ہمارے کل اور آج کے یہ دشمن ہم سے یہی چاہتے تھے کہ ہم نام سے تو مسلمان باقی رہیں مگر ہماری روح اور قلب مغرب کے تابع ہو، ہم ان کے غلام بن جائیں وہ ہمیں جدھر چاہیں ہانکتے رہیں۔ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت خواہشات کی غلام بنی ہوئی ہے، اس غلامی نے گناہوں کے دروازے کھول دئے ہیں اور وہ اس میں جوق در جوق داخل ہورہے ہیں، میں نے کچھ دنوں قبل عربی اخبار الشرق میں شائع شدہ ایک رپورٹ پڑھی تھی کہ فلسطین میں ایک کرسچن اسکول ہے جہاں پوری قوت سے مسلمان عرب بچوں کو کرسچن بنایا جاتا ہے، اس اسکول کے ڈائرکٹر سے رپورٹ طلب کی گئی کہ گذشتہ سال آپ نے کتنے فلسطینی عرب مسلم بچوں کو کرسچن بنایا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے سوال نہ کیا جائے کہ میں نے کتنے کو کرسچن بنایا، بلکہ یہ سوال کیا جائے کہ ہم نے ان کے ذریعہ کتنے پھاؤڑے اور سبل (ازمیل، کھنتی) تیار کئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں ایسا ہی بنادیا ہے ہم ان کی تعلیمات وہدایات اوران کی تربیت کے ذریعہ خواہشات اور شہوتوں کے غلام بن کر دین ومذہب اور ایمان واسلام کی بلند وبالا عمارت کو خود اپنے ہاتھوں سے منہدم کرنے میں لگے ہیں، ان کا کام صرف مشورہ دینا اور بتانا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، باقی ساری انہدامی کارروائیاں ہم خود انجام دیتے اور اس میں اپنی پوری قوت صرف کردیتے ہیں، اس کیلئے ہم اپنا خون پسینہ ہی نہیں بلکہ اپنا سارا سرمایہ اس میں جھونک دیتے ہیں کہ کسی طرح اسلام کا نام لینے والے پنپ نہ پائیں اور وہ ہماری عیاشی وبدکاری اور شہوت پرستی میں رخنے نہ ڈال سکیں۔ آج عالم عرب ہی نہیں سارے مسلمان ملکوں کی حالت ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ساری دنیا میں اس وقت سچے مسلمانوں کو حیوانیت کے طوفان کا سامنا ہے، جس میں مغرب اور بھی شدت پیدا کرنے کی تدبیریں کررہا ہے؛ جبکہ یہ طوفان اسی کی پیداوار ہے مسلمان جب تک شہوت پرستی، راحت طلبی اور نفس کی غلامی سے نکل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھامیں گے انہیں اس طوفان اور سیل رواں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

آج بھی سچے مسلمان، امانتدار صحافی اور دیانتدار اہل قلم موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ دانشور طبقہ ذرا ہمت کرے اور کسی لومۃ لائم کی پرواکئے بغیر نفس کی غلامی کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور عوام کے اندر شعور بیدار کرے اور انہیں باور کرائے کہ ہماری نجات کا راستہ نفس کی غلامی میں نہیں، بقیہ صفحہ 26 پر ملاحظہ ہو!

ازواج مطہرات کی زندگی

آج کی ماڈرن خواتین کیلئے نمونہ عمل

تحریر: غوث سیوانی، نئی دہلی

نبی اکرم ﷺ تمام انسانوں کیلئے رہبر ورہنما بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کی رہنمائی جس طرح مردوں کیلئے ہے، اسی طرح عورتوں کیلئے بھی ہے۔ عورتیں، عورتوں کو زیادہ بہتر طریقے سے تربیت دے سکتی ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی بہترین تربیت فرمائی۔ آپ نے کئی شادیاں کیں، جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یہ خواتین آپ کے زیرسایہ رہ کر اچھی تربیت پالیں اور دوسری خواتین کو اسلامی تربیت سے آراستہ کریں۔ ان مقدس خواتین میں بیشتر طلاق یافتہ، بیوہ اور عمر دراز تھیں۔ یہ زندگی کے تجربے رکھتی تھیں اور نبوی تربیت کیلئے بہت مناسب تھیں۔ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی ایسی شریک حیات تھیں، جو کنواری تھیں اور آپ کے عقد نکاح میں آئیں۔ عمر دراز، بیوہ اور مطلقہ خواتین سے نکاح کا ایک بڑا مقصد دنیا کو اخلاقی درس دینا بھی تھا کہ ہر کوئی کنواری، مالدار اور اعلیٰ خاندان کی عورتوں سے نکاح کرتا ہے، مگر آدمی کو ایسی خواتین کا سہارا بننا چاہئے، جن کی دنیا اجڑ چکی ہو اور جنہیں سہارے کی ضرورت ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنا پہلا نکاح جس وقت فرمایا، آپ کی عمر پچیس سال تھی اور آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ ان کے دوشوہروں کا انتقال ہو چکا تھا اور بچے بھی تھے، جو بالغ ہو چکے تھے، مگر جب رسول ﷺ کے اخلاق وکردار کو دیکھا تو نکاح کا پیغام دے دیا۔ اس رشتے کو آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے مشورے کے بعد قبول کرلیا اور سادگی کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ حضرت خدیجہ، عرب کی ایک معروف تاجر خاتون تھیں، جو لوگوں کو سامان تجارت دیکر تجارت کیلئے بھیج دیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی انہوں نے تجارت کا مال دے کر ملک شام کو بھیجا تھا اور اسی کے ذریعے سے آپ کی ایمانداری، دیانتداری، سچائی اور حسن اخلاق کے مظاہرے انہوں نے دیکھے۔ وہ آپکے اخلاق کریمہ سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ اسلام کا پیغام سب سے پہلے آپ نے جن لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، ان میں حضرت خدیجہ بھی شامل تھیں۔ حضرت خدیجہ ایمان کے معاملے میں اولیت رکھتی ہیں۔ یعنی مردوں اور عورتوں میں سب

سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپؓ نے اپنی دولت اور اثر ورسوخ کو رسول اللہ ﷺ کیلئے وقف کر دیا۔ رسول اللہ بھی آپؓ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور آپؓ کی سبھی بیٹیاں انہیں سے ہوئیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے جیتے جی آپ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور ان کے انتقال سے آپ ﷺ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس سال کو ''**عام الحزن**''، یعنی غم کا سال کہنے لگے۔

مادر امت خدیجہؓ کی زندگی میں آج کی خواتین کیلئے زبردست نمونہ عمل ہے۔ عام طور پر لڑکے اور لڑکیوں میں یہ مزاج پایا جاتا ہے کہ وہ رشتے کی تلاش میں ظاہری باتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اخلاق وکردار پر نظر نہیں رکھتے۔ حضرت خدیجہؓ ایک پختہ عمر کی جہاندیدہ خاتون تھیں' لہٰذا آپؓ نے رشتہ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وکردار پر نظر رکھا۔ یونہی آپؓ نے جب نکاح کر لیا' تو اپنی دولت کو اسلام کے فروغ کیلئے خرچ کیا۔ گویا ان کی نظر میں دولت کا مقصد دنیاوی عیش وآرام حاصل کرنا نہیں تھا' بلکہ اس کے بدلے میں آخرت کو خریدنا تھا۔ حضرت خدیجہؓ تجارت پیشہ تھیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں کبھی اس سے منع نہیں فرمایا' گویا اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کاروبار سے منع نہیں فرمایا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورت کا کمانا پسند نہیں کیا جاتا' یہ سوچ بعد میں آئی ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اسلام نے عورتوں پر حصول معاش لازم نہیں کیا ہے۔ یہ مردوں کی ذمہ داری ہے' مگر وہ کمانا چاہیں تو ان کی مرضی ہے۔ وہ کچھ بھی کمائیں گی یہ ان کا ہوگا۔ اس پر ان کے شوہر یا کسی اور رشتہ دار کا کوئی حق نہ ہوگا۔ البتہ خواتین کو حالات زمانہ کو نظر میں رکھ کر کسی پروفیشن کا انتخاب کرنا چاہئے۔ وہ کسی ایسی لائن کا چناؤ کریں' جہاں ان کی عزت وآبرو اور نسوانیت محفوظ رہے۔

ازواج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی اپنی الگ کمائی رکھتی تھیں اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ ضرورت مندوں اور محتاجوں میں بانٹ دیتی تھیں۔ یہ رسول اللہ کی پھوپھی امیہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں۔

ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا' مگر دنوں کے بیچ بہت اچھے تعلقات نہیں رہے اور آخر کار طلاق ہوگئی۔ رسول اکرم ﷺ نے نکاح فرمانا چاہا' تو آپ نے کہا میں اپنے رب سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ چنانچہ انہوں نے نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی۔ آخر وحی نازل ہوئی کہ اللہ نے آپ کا نکاح رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کر دیا ہے۔ اسی لئے آپ بطور تحدیث نعمت فخریہ بیان کرتی تھیں کہ تمام ازواج مطہرات کا رشتہ ان کے والدین نے کرایا اور میرا رشتہ اللہ نے کرایا ہے۔

ان کے اخلاق وکردار اتنے بلند تھے کہ حضرت عائشہ رضی للہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب رضی للہ عنہا سے اچھی کوئی عورت نہ دیکھی۔ دیندار، خداترس، خدارسیدہ، سچی، خدا کی راہ میں خیرات کرنے والی، اللہ سے ڈرنے والی اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے والی تھیں۔

حدیث کی کتابوں میں جو خوبیاں حضرت زینب بنت جحش رضی للہ عنہا میں بتائی گئی ہیں، وہ اعلیٰ انسانی خوبیاں ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف تمام خواتین کیلئے قابل تقلید ہیں، بلکہ سبھی مردوں کو بھی انہیں اپنانا چاہئے۔

رسول اکرم ﷺ کی ایک اور بیوی حضرت زینب بنت خزیم رضی اللہ عنہا کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، جو شادی کے صرف دو یا تین مہینے بعد رحلت فرما گئیں۔ انہیں ام المساکین یعنی غریبوں، مسکینوں کی ماں کہا جاتا تھا۔اس کا سبب یہ تھا کہ یہ غریبوں اور مسکینوں پر بہت شفقت فرماتی تھیں۔ان کے پاس جو کچھ ہوتا، ان پر خرچ کردیتیں یا بھوکوں کو کھلانے پر صرف کرڈالتیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی للہ عنہا خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔حضرت خدیجہ رضی للہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے انہیں سے نکاح فرمایا تھا۔ان کی تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی تھی۔نکاح کے وقت ان کی عمر کیا تھی، اس میں محققین کا اختلاف ہے۔جدید تحقیق کے مطابق یہ 19 رسال کی تھیں۔ انہیں نو سال تک دامن رحمت سے وابستہ رہنے کا شرف ملا اور اپنے وقت کی سب سے زبردست عالمہ اور فقیہ بن گئیں۔ انہوں نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور صحابہ جب کسی مسئلے پر اختلاف کا شکار ہوتے، تو ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔رسول اکرم ﷺ نے انہیں کے زانو پر آخری سانسیں لیں۔ان کے علمی مرتبے کا یہ عالم تھا کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے حدیثیں روایت کیں اور احکام قرآن سیکھے۔حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے معانی قرآن، احکام حلال وحرام اور اشعار عرب اور علم انساب میں حضرت صدیقہ رضی للہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے 58 ہجری میں 66 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔وہ اپنے دور میں مرجع عالم تھیں اور لوگوں کی علمی اور دینی مسائل میں رہنمائی فرماتی تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات بابرکات ان لوگوں کیلئے نمونہ درس ہے، جو بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کرانا ضروری نہیں سمجھتے۔آج ہمارے سماج میں سمجھا جاتا ہے کہ لڑکیوں کو کس لئے اعلیٰ تعلیم دلائی جائے، جبکہ انہیں گھر میں رہ کر چولہا چکی کرنا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک خاتون تھیں اور علمی اعتبار سے اتنا اونچا مقام رکھتی تھیں کہ مردوں کو بھی ان کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ علم انسان کی شخصیت میں وقار پیدا کرتا ہے، وہ مرد ہو یا عورت۔ لہٰذا علم سکھانے میں کسی قسم کا منفی بھید بھاؤ اسلام کی نظر میں غلط ہے۔ ساتھ ہی انصاف کی نظر میں بھی برا ہے۔

ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا بھی ایک نمایاں مقام ہے۔ وہ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب ﷺ کی بیٹی تھیں اور اپنے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد حرم نبوت ﷺ سے وابستہ ہوئی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق جب رسول اکرم ﷺ نے انہیں ایک طلاق دے دی، تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ رجوع فرمالیں۔ کیونکہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہیں اور رات میں جاگ کر عبادت کرتی ہیں۔ نیز وہ آپ کی جنتی بیوی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے رجعت فرمالی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے انتقال سے قبل وصیت فرمائی تھی کہ ان کا اتنا مال اللہ کے راستے میں خیرات کردیا جائے۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے آپ کے بھائی عبداللہ بن عمر ﷺ نے آپ کی دولت اللہ کے راستے میں خیرات کی۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ پاکیزہ خصلت اور نیک بیویاں ہیں، جن پر شرافت و پاکیزگی کو بھی ناز ہو۔ ان کی زندگی ساری دنیا کیلئے نمونہ عمل ہے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے خلوت وجلوت کو دیکھا ہے۔ ❍ ❖ ❍

<u>بقیہ: عیش وعشرت کے ساتھ قوم کی حالت نہیں بدلی جاسکتی</u>

بلکہ کتاب وسنت کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی کرنے اور میراث محمد ﷺ کو اپنے لئے مشعل راہ بنانے میں ہے جب تک ہم اس میراث کی حفاظت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے نہیں بنیں گے ہمیں نہ دنیا کی بھلائی نصیب ہوگی نہ آخرت کی، نہ ہمیں آزادی حاصل ہوگی نہ سعادت، نہ ہماری عزت ہوگی نہ سرخروئی اور نہ ہماری موجودہ بدتر وزوال پذیر حالت تبدیل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافقوں کو اس بات کی خبر پہنچادیں کہ ان کیلئے دردناک عذاب یقینی ہے۔ (النساء ۳۸-۳۹)

جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں، تو یاد رکھیں کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

یریدون ان یتحاکموا ...... ضلالاً بعیداً (النساء ۶۰)

وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، (ان سے فیصلے طلب کرتے ہیں) حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔ ❍ ❖ ❍

ذرائع ابلاغ کا آزادانہ کردار اور اسلام

مولانا ابرار احمد اجراوی قاسمی

ذریعۂ ابلاغ خواہ وہ اخبار ہو یا ریڈیو، ٹیلی ویژن ہو یا انٹرنیٹ اس کی اہمیت اور اس کی اثر انگیزی ہر دور میں مسلم رہی ہے۔ انسانی معاشرے کی بقا اور تعمیر وترقی کے لیے ابلاغ وترسیل اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ غذا اور پناہ گاہ۔ انسانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ترسیل دوطرفہ سماجی عمل ہے اور اس دور میں بھی جب منہ سے نکلی ہوئی آواز نے الفاظ اور منقش تحریر کا جامہ زیب تن نہیں کیا تھا اور انسان اشارے کنایے، حرکات وسکنات اور لمس وشعور کی مدد سے اپنی ترسیل وابلاغ کی ضروت کی تکمیل کیا کرتا تھا، ابلاغ اور ترسیل کے وسائل انسانی معاشرے میں اہمیت کے حامل تھے، اور آج کے برق رفتار عہد میں تو اس کی اہمیت سے انکار ممکن ہی نہیں۔ ولبر شرم نے صحیح کہا ہے: ’’عوامی ذرائع ترسیل دنیا کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ ترسیلی شعبے کے بعض ماہرین نے کسی مہذب انسانی معاشرے کی تعمیر وترقی میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقنّنہ کے ساتھ ذرائع ترسیل وابلاغ کو چوتھے ستون کی حیثیت دی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی کے ساتھ انسانی معاشرے کی ترقی مربوط ہے۔ اگر یہ ذرائع ترسیل نہ ہوتے، تو انسانی معاشرہ تہذیب وثقافت کے شائستہ تصور سے محروم رہتا اور جہالت وناخواندگی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہوتا۔

انسانی زندگی میں ابلاغ وترسیل کو شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اپنے خیالات وجذبات اور فکار ونظریات کے اظہار کے لیے اگر اس کو موقع نہ ملے تو وہ ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو کر مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف تمام ممالک کے دستور میں ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی کے بنیادی اور فطری حق کی ضمانت دی گئی ہے؛ بلکہ اس حق کو سلب کرنے والے عوامل ومحرکات پر بھی قدغن لگانے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ آج انفارمیشن ٹکنالوجی کے میدان میں آنے والے انقلابات نے دنیا کو چھوٹے سے گاو?ں میں تبدیل کر دیا ہے۔ آج آپ کے لیے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر جام جمشید کی طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا مشاہدہ کرنا اور اس پر برجستہ اپنی رائے دینا اور اس کو وسیع پیمانے پر پھیلانا ممکن ہے۔ انٹرنیٹ جیسے جامِ جہاں نما کے وجود میں آنے کے بعد تو ساری کائنات ایک چھوٹے سے

بکس میں قید ہوگئی ہے اور آپ جب اور جس وقت چاہیں اس کے ذریعے کائنات کے طول وعرض کی سیر کر سکتے ہیں۔آج ذرائع ابلاغ کا دائرہ کافی وسیع ہوگیا ہے۔ای میل،ٹویٹر،اسکائپ اور فیس بک کی وساطت سے اپنے خیالات کی ترسیل ممکن ہے۔اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ وغیرہ ذرائع ابلاع کے اہم ستون ہیں۔میں انھیں عوامی ذرائع ابلاغ کے اردگرد اپنی گفتگو مرکوز رکھوں گا۔

ابلاغ کے غیر اسلامی تصورات

ذرائع ابلاغ کو آزاد چھوڑ دینے یا اس کو قانون وضابطے کا پابند بنانے کے تعلق سے، ماضی میں بہت سے نظریات وتصورات رائج تھے۔انھی میں سے ایک مقتدرانہ نظریہ ابلاغ ہے،اس کے بانیوں میں مشہور فلسفی افلاطون کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ذرائع ابلاغ کو پابندِ سلاسل کرنے اور حکومت وریاست کو مکمل با اختیار بنانے کے حوالے سے افلاطون کا یہ قول بڑا مشہور ہے کہ:''اگر ریاست میں اختیارات کو بہت سے افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو ریاست کا زوال شروع ہوجاتا ہے؛اس لیے حاکم کو چاہیے کہ ریاست کے انتظام میں عوام کے عمل دخل کو محدود کردے۔'' (تاریخ صحافت،افتخار کھوکھر،ص:۸۸۱) اس نظریہ ابلاغ کی رو سے تمام اختیارات صرف اور صرف ریاست کو حاصل تھے،حکومتِ وقت ہی سارے سیاہ وسفید کی مالک ہوا کرتی تھی۔اِبلاغ وترسیل کے تمام ذرائع پر حکومت اور بالانشیں طبقوں کا مکمل کنٹرول تھا۔اخبارات اور صحافی کے پیروں میں حکومت اور مقتدر طبقے نے پابندیوں کی زنجیر ڈالی ہوئی تھی، وہ کوئی ایسا مواد مشتہر نہیں کر سکتے تھے، جس میں حکومت اور فرماں روائے وقت یا حکومتی اہل کاروں کی پالیسیوں پر جرح وتنقید کی گئی ہو۔ پریس کو حکومت کی پالیسیوں میں مداخلت سے باز رکھنے کا واحد مقصد یہ تھا کہ حکومت کی پالیسیوں اور منصوبوں کو روبہ عمل لانے میں کسی عوامی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اور عوام حکومت کی ہر جائز اور ناجائز خواہش کی تکمیل میں خاموش رہیں۔گویا اس نظریہ ابلاغ نے انسانوں کو فکر ونظر اور اظہار رائے کی آزادی سے کلیتاً محروم کر دیا تھا۔یہ نظریہ پندرہویں اور سولہویں صدی تک جاری رہا۔آج بھی بہت سے عربی اور غیر عربی ممالک میں یہ نظریہ دوسرے ناموں سے نافذ العمل ہے جس کے تحت حکومت کی مرضی اور منشاء کے خلاف کسی کو بھی حرفِ شکایت زبان پر لانے کی اجازت نہیں۔لیکن؛ جب اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی حکومتوں کے نمائندوں نے ساری حدیں توڑ دیں اور پانی سر سے اونچا ہوگیا تو عرب کے جوشیلے جوانوں نے فطری

آزادی کی لیلائے آرزو کو حاصل کرنے کیلئے حالیہ سالوں میں وہ جدو جہد کی ہے، جس سے عرب کی ماضی کی تاریخ نا آشنا ہے۔مصراور لیبیا کے انقلابات نے اس سچائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ انسانی آزادی کو سلب کرنے والی طاقتوں کے لیے اس روئے ارضی پر کوئی جگہ نہیں ہے۔

قید و بند سے عبارت اس نظریے کے ردِعمل کے طور پر ایک دوسرے نظریہ نے جنم لیا، جو مادر پدر آزادی کا حامی تھا۔ یہ نظریہ آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ کے طور پر تاریخ میں جانا گیا؛ چوں کہ اس عہد میں سائنسی دریافتوں نے انسان کو عقلیت کا سبق سکھایا تھا اور وہ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی اس کو اپنی زندگی میں روبہ عمل لاتا تھا؛ اس لیے انھوں نے ماقبل کے نظام حکومت میں عائد قید و بند سے آزادی کے لیے ایک ایسے نظریے کا سہارا لیا، جس میں فرد کو ساری آزادی میسر تھی۔ آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ کو امریکی حکمرانوں نے خوب شہہ دی اور سب سے پہلے امریکی دستور میں یہ ترمیم کی گئی کہ کانگریس کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی، جس سے تحریر و تقریر اور ذرائع ابلاغ کی آزادی پر حرف آتا ہو۔ کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے حکمراں طبقوں نے اس نظریہ کو اپنے ملکوں میں خوب پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مقتدرانہ نظریہ ابلاغ میں تمام اختیارات ریاست اور حکمراں طبقے کو حاصل تھے، اس کے برعکس آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ میں ہر فرد کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ جو چاہے، جس طرح چاہے اور جس کے خلاف چاہے تقریر اور تحریر کے سہارے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ مملکت یا حاکم وقت کو اس کے دست و باز و کو پکڑنے اور اس کو مہر بہ لب کرنے کا حق نہ ہوگا۔

کمیونسٹ نظریہ ابلاغ بھی اشتراکیت کے عروج کے دنوں میں کافی موضوعِ بحث رہا۔ کمیونسٹ نظریہ ابلاغ میں اظہار رائے اور فکر و نظر کی آزادی کو حکومت کی پالیسیوں کی تشہیر تک محدود کر دیا گیا تھا۔ ذرائع ابلاغ اس بات کے پابند تھے کہ وہ عوام میں جا کر انھیں حکومت اور پارٹی کی پالیسیوں سے آگاہ کرائیں اور مملکت کے بنیادی نظریے یعنی کمیونزم کی تشہیر کریں اور اس نظریے کو اپنانے کے لیے عوام کی ذہن سازی کریں۔ مطلب یہ کہ کمیونسٹ نظریہ ابلاغ بھی کسی نہ کسی شکل میں مقتدرانہ نظریہ ابلاغ کا ہی چربہ تھا۔ اس میں بھی عوام مجبور و مقہور اور مہر بہ لب تھے۔ یہ سارے نظریات افراط و تفریط کا شکار تھے، کسی مہذب سماج اور انسانی معاشرے میں نہ تو کسی فرد کو مکمل اظہار کی آزادی دی جا سکتی ہے کہ وہ شُترِ بے مہار بن جائے اور آزادی اظہار کے پردے میں دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنے۔ اور نہ ہی انسانوں کی فکر و نظر کی آزادی کو بے

جا قانون واصول کا سہارا لے کر اس طرح قید وبند کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے فطری اور پیدائشی حق کے لیے بھی آواز بلند نہ کرسکیں۔(تلخیص از: تاریخ صحافت،ص:۱۸۷تا۲۰۰)

ذرائع ابلاغ کا اسلامی تصور

پریس اور میڈیا ہمارے ترقی یافتہ دور کی ایجاد کردہ اصطلاحیں ہیں۔ پہلے اس قسم کی اصطلاحات سے انسانوں کے کان مانوس نہیں تھے؛ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام جو حیات سے لے کر ممات اور فرد کی خانگی زندگی سے لے کر معاشرتی اور سیاسی زندگی کے تمام مسائل کو محیط ہے، اس میں ذرائع ابلاغ یا پریس کے حوالے سے قرآن وحدیث میں احکامات اور ہدایات نہ دی گئی ہوں۔ اسلام تو ایک مکمل نظامِ حیات کا نام ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کی رہ نمائی کے لیے قانون وضع کرتا ہے۔ پریس یا میڈیا فکر ونظر کی آزادی کا ہی نام ہے، جس میں صحافی اور رپورٹر سامعین اور قارئین کو اپنی فکر ونظر سے کام لے کر ایسا سچا اور با مقصد مواد دیتا ہے، جس کو وہ صحیح اور معتبر تصور کرتا ہے۔ فکر وعمل کی آزادی اور اظہارِ رائے کی آزادی کا باب پریس اور میڈیا کی آزادی کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ ایک مثالی اسلامی ریاست میں عقیدے اور مذہب کی آزادی کے ساتھ فکر ونظر کی بھی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔

اسلام چوں کہ رہتی دنیا تک لیے ایک جامع دین بن کر آیا ہے؛ اس لیے اس میں میڈیا اور پریس کے حوالے سے بھی ضابطہ اور قانون موجود ہے، اسلام میں میڈیا کی کتنی اہمیت ہے اور ان ذرائع ابلاغ کو انسانی زندگی میں کتنا بڑا اور اہم مقام حاصل ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں ان آیتوں کا مطالعہ اور ان کے مفاہیم میں غور کرنا چاہیے جن سے اسلام کے داعیانہ پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ، (نحل:)وَلْتَکُنْ مِنْکُمْ اُمَّۃٌ یَدْعُوْنَ اِلیٰ الْخَیْرِ (آل عمران،)کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران،)وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْریٰ تَنْفَعُ الْمُوْمِنِیْنَ ، (ذریات،) بَلِّغُوْ عَنِّی وَلَوْ آیۃً اور نَضَّرَ اللہُ امْرَئًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ الخ وغیرہ میں اسلام کے جس آفاقی پیغام کے ابلاغ وترسیل کا امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے، کیا اس کی وسیع اور عالمی پیمانے پر دعوت اور اشاعت، سائنس وٹکنالوجی کے اس دور میں ذرائع ابلاغ کے سہارے کے بغیر ممکن ہے۔

اسلامی نظریہ ابلاغ کسی انسانی فکر کا زائیدہ یا محض عقلی بنیادوں پر انسانوں کا تیار کردہ نہیں ہے، وہ

قرآن وحدیث سے ماخوذ ومستنبط ہے۔انسان کی فطری آزادی سے لے کر ذرائعِ ابلاغ کی آزادی تک کا سارا نظام عمل انہی اسلامی احکامات وہدایات پر مبنی ہے۔اسلامی نظریہ ابلاغ میں جہاں ذرائع ابلاغ کو اظہار رائے کی آزادی دی گئی ہے، وہاں اس کو بہت سی اخلاقی شرائط اور سماجی ومعاشرتی قوانین کا پابند بھی بنایا گیا ہے؛ تاکہ دیگر اسلامی نظریہ کی طرح یہاں بھی توازن واعتدال برقرار رہے۔اسلامی نظریہ ابلاغ میں نہ مقتدرانہ نظریہ ابلاغ کی طرح انسانوں کی آزادی کو مکمل طور پر سلب کیا گیا ہے اور نہ ہی آزای پسندانہ نظریہ ابلاغ کی طرح ایسی مادر پدر آزادی دی گئی ہے کہ فرد کی آزادی کے پردے میں دوسرے انسانوں کی آزادی پر انگشت نمائی کی جائے اور ان کی پرائیویٹ اور نجی زندگی میں بھی مداخلت کی جائے۔اگر اظہار کی آزادی کی آڑ میں ذرائع ابلاغ کے اس سرکش گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے، تو یہ ایمانیات کے ساتھ انسانوں کی اخلاقیات کو بھی پیروں تلے روند کر رکھ دے گا۔

اسلام میں اظہار کی آزادی محض ایک انسانی حق ہی نہیں؛ بلکہ یہ امتِ مسلمہ اور ذرائعِ ابلاغ کا ایک دینی اور اخلاقی فرض بھی ہے؛ اس لیے نہ کوئی فرد، نہ کوئی حکومت اور نہ ہی کوئی ادارہ انسانوں سے ان کی فطری آزادی کو سلب کر سکتا ہے، اور نہ اس کو چیلنج کر سکتا ہے؛ البتہ اتنی شرط ضرور عائد کی جائے گی کہ کوئی بھی ذریعہ ؟ ابلاغ کوئی ایسی خبر یا بات کی تشہیر نہ کرے، جس سے مفادِ عامہ کو زد پہنچے۔ جو اسلامی اقدار کے منافی ہو اور جس میں انسانیت اور انسانی سماج کی تعمیر کے بجائے تخریب کے عوامل پنہاں ہوں۔اسلام میں ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے عوام الناس تک سچی اور صحیح خبر پہنچائی جائے۔ ذرائع ابلاغ سچ کے اظہار میں کسی لالچ یا مداہنت کا شکار نہ ہوں۔ ذرائعِ ابلاغ صرف ایسی معلومات کی اشاعت کریں، جن سے سامعین اور قارئین کے اندر نیکی اور تقویٰ کا عنصر پیدا ہو۔ وہ کسی ایسی خبر کی اشاعت سے باز رہیں، جس کا مقصد ان کی اخلاقیات پر حملہ کرنا ہو اور اس سے دوسروں کی دل آزاری یا دوسرے ادیان وملل کی تحقیر ہو۔

ذرائع ابلاغ کے اساسی اصول واقدار

فکر ونظر کی آزادی:

اسلام نے فکر ونظر کی آزادی کے ساتھ ہمیشہ آزادیِ رائے کا احترام کیا ہے اور ہر کس وناکس کو اپنی بات رکھنے کا فطری حق دیا ہے۔عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر، عہدِ بنی امیہ اور بنی عباسیہ تک

کی پوری اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کس درجہ شدت کے ساتھ حریتِ رائے کے تصور کی پرورش کی ہے اور اس کو انسانی معاشرے کا لازمی جز بنانے کی سعی کی ہے۔ اسلام نے صرف آزاد مرد وخواتین ہی نہیں؛ بلکہ غلاموں کو بھی اس حق سے محروم نہیں رکھا ہے۔ ذرا غزوۂ احد کا وہ واقعہ اپنے ذہنوں میں تازہ کیجیے جب جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ رائے تھی کہ کفارِ مکہ سے جنگ کے لیے مدینے سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے اور یہیں رہ کر جنگ کی جائے؛ لیکن معقول اسباب کی بنیاد پر چند نوجوانوں کی یہ رائے تھی کہ جنگ کے لیے مدینے کی آبادی سے باہر نکلنا زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر مدینے سے باہر خندق کھودنے کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل نہیں تھا، بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے باہمی مشورے سے خندق کھودی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگی قیدیوں کے قتل اور انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔ اسلام میں فکر ونظر کی آزادی کی ہی دین ہے کہ ایک عام آدمی بھی اپنے خلیفہ کا دست و بازو پکڑ سکتا ہے۔ اور جب ایک قبطی نے حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کی شکایت دربارِ عمری میں پیش کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ اس غلام کو فوری انصاف دلایا تھا؛ بلکہ انھیں سخت ڈانٹ بھی لگائی تھی۔ اور اس وقت کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادت پر مبنی یہ مفہوم تو ہر کسی کے ذہنوں میں ہوگا کہ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہونے والے بچے کو کسی کو غلام بنانے کا حق نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ تھے: مَتیٰ اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا۔ اسی قسم کا واقعہ خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا: ''أَيُّهَا النَّاسُ أَنَّ آدمَ لَمْ يَلِدْ عَبْدًا وَلاَ أَمَةً وَ أَنَّ النَّاسَ كُلُّهُمْ أَحْرَارًا'' لوگو! آدم کی کوکھ سے غلام یا باندی نے جنم نہیں لیا، سبھی لوگ آزاد ہیں۔ (نہج السعادہ، ج:۱)

اسلام میں قیاس کو چوتھا فقہی اصول قرار دیا گیا ہے، فقہاء اور ائمہ کے درمیان مسائل میں اختلافِ اظہارِ رائے کی آزادی کی ایسی مثال ہے، جس سے دوسرے مذاہب و ادیان تہی دست ہیں۔ فقہ میں جہاں چار بڑے مسالک کے ماننے والے، دنیا کے مختلف گوشوں میں کہیں کم تو کہیں زیادہ موجود ہیں، وہیں فقہِ اوزاعی، فقہِ داؤد ظاہری اور فقہِ جعفری وغیرہ بھی روئے زمین پر موجود ہیں، جن کی تقلید کرنے والوں کو نہ تو کم تر سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی اقلیت اور اکثریت کی مذموم بنیاد پر ان سے تعرض کیا جاتا ہے۔ فقہ میں تو

’’ھُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ ‘‘ کا اصول چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی استاد کے مختلف شاگردوں نے دلائل کی بنیاد پر اپنے استاد کے نظریے سے اختلاف کیا ہے؛ بلکہ حدیث کے مطابق کسی غیر منصوص مسئلے میں غور وفکر کرنے والے ہر مجتہد کو اجر سے نوازا جاتا ہے، اگر چہ اس کا اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ اسلام آزادیِ فکر ونظر کا امین اور نقیب ہے۔ اس میں ہر شخص کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہے؛ بشرطیکہ اس کی رائے نصِ صریح سے متصادم نہ ہو۔

ذیل کی سطروں میں ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ کے طور پر ہم یہاں ان چند آزادیوں سے بحث کررہے ہیں، جو اسلام نے فکر ونظر اور اظہار رائے کی آزادی کے تحت ذرائعِ ابلاغ کو عنایت کی ہیں۔

حکومتِ وقت سے سوال اور باز پرس کرنے کا حق:

اسلامی نظریہ ابلاغ کے مطابق صحافی اور اخبار نویس کو ملک کی سب سے بڑی اتھارٹی سے بھی سوال کرنے کا حق ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھری مجلس میں یہ سوال کیا تھا کہ ہر صحابی کو تو مال غنیمت سے ایک چادر ملی ہے، آپ کے بدن پر یہ دو چادر کیسی ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے باوجود اس پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا اور انتہائی سنجیدگی سے یہ جواب دیا تھا کہ ایک چادر تو میرے حصے کی ہے اور دوسری چادر میرے بیٹے کے حصے کی ہے۔ اس سے بڑی آزادی کیا کسی جُمہوری ملک میں بھی کسی فرد یا ادارے کو میسر ہے۔ یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے اور بس۔ اسلام نے ہمیشہ شورائی نظامِ فکر وعمل کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی ہے، جُمہوری نظام میں جہاں ریاست اور ملک کے ہر کس وناکس کو حکمرانوں کے انتخاب کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے، وہیں شورائی نظام میں یہ تعداد کم ہوجاتی ہے۔ شورائی نظام میں ہر فرد کی شرکت ضروری نہیں، بلکہ صرف اہل الرائے لوگ انتخاب کا قانونی حق رکھتے ہیں۔ شورائی نظام کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہی بہت سے عرب ممالک میں فکر ونظر کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ عوام حکومتِ وقت کے خلاف لب کشائی کی جرأت کرنے سے محروم ہیں۔ فکر ونظر کی آزادی کو سلب کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج بہت سے ممالک قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود دوسرے ممالک کے دست نگر اور محتاج بنے ہوئے ہیں اور وہاں کی فکری اور تخلیقی صلاحیتیں دوسرے ملکوں کے کام آرہی ہیں۔ ان ممالک میں کسی ایسی چیز کی اشاعت کا حق فرد کو حاصل نہیں ہے، جس سے حکومت کی پیشانی پر بل آتا ہو۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنی تحریروں اور اپنے

افکار ونظریات سے عوام کو روشناس کرانے کیلئے امریکہ اور یورپ کے ممالک کا رخ کرتے ہیں، جہاں ان کے خیالات ونظریات کا فراخ دلی سے استقبال کیا جاتا ہے۔علمی تحقیق اور فکری پرورش کیلئے آزادیِ اظہار کی سہولت ناگزیر ہے۔ہم چند صدیاں پہلے اگر دنیا کے نقشے پر چھائے ہوئے تھے اور نئی نئی تحقیقات سے دنیا کو روشناس کرا رہے تھے تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہمارے یہاں اختلاف اور اظہار مافی الضمیر کی آزادی ہر کس وناکس کو میسر تھی۔

ظلم اور ناانصافی کے خلاف احتجاج کی آزادی:

اسلام نے فرد کے ساتھ ادارے اور ذرائعِ ابلاغ کو جتنی آزادیاں دی ہیں، ان میں ایک اہم حق احتجاج کا حق بھی ہے۔ ذرائعِ ابلاغ کو جہاں کہیں بھی ظلم اور ناانصافی ملے، اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے اور مظلوموں کی حمایت میں انسانی غیرت اور حمیت کا ثبوت دینا چاہیے۔قرآن کریم کی آیت ہے: ’’ لاَ یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوءِ الاَّ مَنْ ظُلِمَ ‘‘(نساء،۸۴)حدیث شریف ہے:’’مَنْ رَایٰ مِنکُم مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہ، فَانْ لَمْ یَسْتَطِعْ، فَبِلِسَانِہ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہ وَذٰلِکَ أضْعَفُ الْایْمَانِ ‘‘

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:’’أفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حقٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ‘‘(ترمذی)

مناظرے اور باہمی تنقید کی آزادی:

آج کل کے اخبارات اور نیوز چینلز کا یہ خاص وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ چند ماہرین کو بلا کر کسی خاص موضوع پر مباحثے اور مناظرے کراتے ہیں، اس مباحثے میں موضوعات کی تحدید نہیں ہوتی، اس کا موضوع سیاسی بھی ہوتا ہے اور سماجی بھی، مذہبی بھی ہوتا ہے اور تعلیمی بھی۔ اس قسم کے مباحثوں میں ایک فریق دوسرے فریقِ مخالف کو شکست دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے فریقِ مخالف پر جرح وتنقید سے بھی کام لیتا ہے۔اسلام نے اس قسم کے مباحثے اور مکالمے کی آزادی دی ہے، بشرطیکہ اس میں کسی قسم کے خلافِ شرع امر کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔اور تنقید و جرح تعمیری ہو، تخریبی نہ ہو۔بات وزن دار ہو، دلائل سے مزین ہو، اس سے کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہے۔’’ وَلاَ تُجَادِلُوْا أھْلَ الْکِتَابِ الاَّ بِالَّتِيْ ھِيَ أحْسَنُ ‘‘(عنکبوت:۶۴)آیت میں اگرچہ خطاب یہود سے ہے؛ لیکن اس کے عموم پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔

شہادت کی آزادی:

ذرائع ابلاغ کی وساطت سے منظرِ عام پر آنے والی خبروں کا اِتنا اثر ہوتا ہے کہ مقامی انتظامیہ سے لے کر ریاستی اور مرکزی حکومت بھی حرکت میں آجاتی ہے اور اس آنے والی خبر کی بنیاد پر کارروائی کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ روزانہ ایسے کتنے معاملات ہماری نظروں سے گزرتے ہیں، جن میں حکومت میڈیا میں شائع ہونے والی خبروں کی وجہ سے متحرک ہوکر مجرمین کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیتی ہے اور اگر کسی بے قصور شخص کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور میڈیا والے اس کی بے گناہی پر کوئی خبر یا مضمون چھاپ دیتے ہیں، تو حکومت اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ وہ اس شخص کو بری کر دے۔

شہادت اور گواہی کی اس اہمیت اور تاثیر کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرائع ابلاغ کو کسی کی حمایت یا کسی مجرم کی مخالفت میں گواہی دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام نے شہادت کو چھپانے والے کو سخت وعید اور دھمکی دی ہے۔ (بقرہ،۲۸۳)

اقرباء اور رشتے داروں کے خلاف گواہی دینے کی آزادی بھی ذرائع ابلاغ کو حاصل ہے، جس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ چاہے وہ اس کے اقربا اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کا حدود و تعزیر پر مبنی نظامِ عدل و انصاف کی روشنی کا ایک مینارہ ہے، جس میں اشراف وارزال، بادشاہ و رعایا اور امیر و غریب سب برابر ہیں۔ اس نظام میں ہر حق دار، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، کے حق کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس نظام میں نہ کسی پر ظلم و زیادتی ہوگی، نہ استحقاق سے زیادہ اس کو سزا دی جائے گی۔ ذرائع ابلاغ کو چاہیے کہ وہ کسی مفسدے سے عوام کو باخبر کرنے اور کسی جرم اور بدعنوانی کا پردہ فاش کرنے میں مداہنت اور مصالحت سے کام نہ لیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمھارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتے داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمھیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔ (نساء:۱۳۵)

جرائم کا پردہ فاش کرنے کی آزادی:

اسٹنگ آپریشن میڈیا والوں کا آج کا محبوب مشغلہ ہے۔ کسی کی شبیہ مسخ کرنا ہوتو وہ اسٹنگ آپریشن کا سہارا لیتے ہیں۔ اسلام نے کسی کی نجی زندگی میں تو مداخلت سے منع کیا ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کے حرکت وعمل سے مفادِ عامہ پر ضرب پڑتی ہوتو ایسے جرم کا پردہ فاش کیا جاسکتا ہے۔ بنگارو لکشمن کی رِشوت سِتانی کا معاملہ ہو یا پارلیمنٹ میں ووٹ فار کیش کا معاملہ یا نیرا راڈیا والا کیس؛ ان سارے مقامات پر میڈیا کے جرأت مند رپورٹرس نے ان کے چہرے سے نقاب اتار کر ملک اور قوم کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ قرآن کریم میں کسی کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے؛ لیکن اگر کسی مشتبہ شخص کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہو جائے کہ وہ کوئی خطرناک کام کرنے جارہا ہے، تو اس کے جرم کو طشت از بام کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ گھروں میں جاسوسی کے آلات نصب کرنے، کسی شخص کے ٹیلی فون کال ٹیپ کرنے وغیرہ اس قسم کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں، ان پر اسی حکم کا اطلاق ہوگا۔

اگر آثار وقرائن سے کسی ممنوع اور مخالف شریعت امر کا علم ہو جائے، تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک # یہ کہ اس کی تلافی بالکل ممکن نہ ہو۔ جیسے یہ کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہے، یا کوئی شخص کسی آدمی کے قتل کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایک صحافی اور رپورٹر تحقیق اور تجسس کرسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ جرم اس سے کمتر درجے کا ہو۔ اور اس کا جرم متعدی نہ ہو۔

حمایت ومخالفت کا اسلامی اصول:

ذرائع ابلاغ پروپیگنڈہ اور تشہیر کا مضبوط وسیلہ ہیں۔ عوام ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے والی رپورٹ اور تجزیوں کی بنیاد پر بہت سے فیصلے کر لیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ عوام کی ذہن سازی میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ حمایت ومخالفت کی مختلف شکلیں اس وقت دیکھنے کو ملتی ہیں، جب ملک میں اسمبلی یا لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اشتہارات مضامین اور خبروں اور تبصروں کی وساطت سے اپنے پسندیدہ امیدوار کی حمایت اور فریقِ ثانی کی مخالفت کا بازار گرم نظر آتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے حمایت ومخالفت کا بھی اصول متعین کر دیا ہے۔ کسی سے محبت بھی ہوتو اللہ کیلئے اور کسی سے بغض وعداوت بھی

ہوتو اللہ کیلئے۔حمایت ومخالفت کوسفارش کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔کسی کی سفارش اسی بنیاد پر کی جائے کہ وہ شخص واقعی اس عہدے یا مرتبے کا مستحق ہو۔

لیکن ذرائع ابلاغ کو ان امور میں سفارش سے باز رہنا چاہیے جن کا تعلق حدود وقصاص سے ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ قریشیوں کے ہاں ایک مخزومی عورت کا معاملہ پیش آیا، اس نے چوری کی تھی۔قریشیوں نے کہا کہ اس کے بارے میں آپ ﷺ سے کون بات کرے گا؟ (یعنی ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش کون کرے گا؟) لوگوں نے کہا آپ ﷺ کے سامنے اس کی جرأت کون کرے گا؛ البتہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بات کر سکتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چہیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بات کی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دے کر فرمایا: تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان لوگوں میں جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اس چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی ان میں کا کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کرتے تھے۔خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔ (بخاری، کتاب الحدود، حدیث نمبر:۶۷۸۹)

فریقِ مخالف کے لیے کوئی ایسا نازیبا لفظ استعمال نہ کیا جائے کہ وہ اس کے جواب اور ردِ عمل کے طور پر ایسا جواب دے، جس سے آپ کی توہین یا تضحیک ہوتی ہو۔قرآن کریم میں ہے: ''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ'' (انعام،۱۰۹)

بااثر افراد کے خلاف اظہارِ رائے کی آزادی:

آج کے جتنے ذرائع ابلاغ ہیں، ان پر چند بااثر افراد یا سیاست دانوں کا کنٹرول ہے۔آج کل کے اخبارات کارپوریٹ گھرانے نکالتے ہیں، نیوز چینلز پر بھی انھی کا مالکانہ کنٹرول ہے۔ جو کسی نہ کسی سیاسی پارٹی سے سمجھوتہ کر کے ان کی تشہیر اور حمایت میں فضا سازگار کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ ااور مشہور صحافی سنتوش بھارتی کی مانیں، تو آج کا میڈیا بکا ہوا ہے۔اس نے اپنی بولی لگادی ہے۔آج کا میڈیا صرف اسی خبر کو مشتہر کرتا ہے، جس سے اس کے مخالف کی شبیہ شکنی اور اس کی شبیہ سازی ہوتی ہو۔موجودہ عہد کے صحافی اور رپورٹر ان مشتبہ خبروں کو منظرِ عام پر لانے سے گھبراتے ہیں، جو بااثر افراد سے تعلق رکھتی ہیں؛ جب کہ اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں کی اشاعت جس سے مفادِ عامہ وابستہ ہو اور اس سے کسی پر ذاتی تنقید

اور کیچڑ اچھالنا مقصود نہ ہو، کو کسی ملامت اور خوف کی پروا کیے بغیر مشتہر کیا جائے۔ وہ اس خبر کی اشاعت میں اس شخص، ادارے، تنظیم، حکومت کے اثر ورسوخ، جنگی ساز وسامان، طاقت وقوت اور فوجی طاقت کو خاطر میں نہ لائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ’’ ألا لا يَمنَعَنَّ رَجُلاً هَيبَةُ النَّاسِ أنْ يَقُولَ بِحَقٍ اِذَا عَلِمَه ‘‘ خبر دار! جو تم کسی شخص کے اثر ورسوخ کی وجہ سے حق کے اظہار میں تردد سے کام لو۔ (ابن ماجہ)

بامقصد تفریح کی آزادی:

اسلام نے حیا سوز اور انسانی معاشرے پر بُرا اثر مرتب کرنے والے تفریحی پروگرام کی اجازت تو نہیں دی ہے، جیسا کہ آج کل کے تجارتی چینل کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہر قسم کے ماورائے اخلاق پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں اور اس کو تفریح اور ذہنی تسکین کا ذریعہ قرار دیتے نہیں تھکتے۔ لافٹر انڈیا، ڈانس انڈیا ڈانس، بگ باس اور مختلف ریئلٹی شوز پر جس قسم کے بے سروپا پروگرام کے ذریعے ذہنی آسودگی کا دعوی کیا جاتا ہے، وہ ہمارے معاشرے اور بچوں پر منفی اثرات مرتب کررہے ہیں۔ اور معصوم ذہنوں کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ ذہنی آسودگی کے لیے اسلام نے تفریحی پروگرام اور مزاحیہ لٹریچر بھی شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مزاح فرمایا ہے۔ جو مزاح نگاری اور فکاہیہ چینلز کیلئے اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتے ہیں؛ لیکن یہاں بھی وہی شرط ہے کہ یہ تفریح کسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ جیسا کہ آج کل کے ریئلٹی شوز کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہمارے ذہنوں میں برائی اور بداخلاقی کا زہر گھول رہے ہیں۔ راجو شری واستو، سنیل پال اور احسان قریشی جیسے انٹرٹینر تفریح کے نام پر دوسروں کی پگڑی اچھالنے کا جرم کرتے ہیں اور اس کو تفریح کے نام پر جواز کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلام میں اسی تفریحی پروگرام کی اجازت ہے، جو طنز وتضحیک اور توہین پر منتج نہ ہو۔ اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ (حجرات:۱۱)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (مسلم)

مذاق اور تمسخر سے دشمنی سر ابھارتی ہے، اس سے لوگوں میں اختلاف اور تنازع کو ہوا ملتی ہے۔ ٹکراؤ اور تصادم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے؛ اسی لیے علامہ عبدالرحمٰن سعدیؒ نے لکھا ہے: تمسخر انھی لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے، جن کا دل بُرے اخلاق وآداب کی آماجگاہ اور ساری مذموم خصلتوں کا مرکز ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی ۷؍۵۳۱)

ایسے تمسخر کی ممانعت کے سلسلے میں آپ ﷺ کا منہج واضح اور ٹھوس تھا، جس کا نتیجہ لوگوں کی توہین وتضحیک کی شکل میں برآمد ہوتا ہو۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں بیان کرنا چاہیں گے۔

پہلی مثال حضرت ابوذر غفاری ؓ کی ہے، وہ روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی سے گالم گلوچ کی اور اس کی ماں کو گالی دے ڈالی۔ تو آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: ابوذر! کیا تم نے اس کی ماں کو گالی دی، بلا شبہ تم ایسے آدمی ہو، جس میں جاہلیت کی عادت ہے۔ (بخاری)

دوسری مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں: میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ آپ ﷺ کیلئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا فلاں فلاں عیب یعنی صفیہ کا پست قد ہونا کافی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے ایسی بات زبان سے نکالی کہ اگر وہ دریا میں گھول دی جائے تو وہ دریا پر غالب آجائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ کسی انسان کی نقل اتاروں اگر چہ مجھے اتنا اتنا روپیہ ملے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ یہ کہ ذرائع ابلاغ کی مثال چھری کی ہے کہ اس کے ذریعے پھل بھی توڑا جا سکتا ہے اور کسی کی گردن بھی۔ وہ محتسب کا کردار ادا کر کے کسی کی جان اور عزت وآبرو بھی بچا سکتا ہے اور کسی رہزن کا بھیس بدل کر کسی کی جان اور عزت وآبرو سے کھیل بھی سکتا ہے۔ وہ ظلم وستم اور جبر وتشدد کی حمایت اور بے حیائی اور بداخلاقی کا پرچار بھی کر سکتا ہے اور اصلاح وتبلیغ کے میدان میں مصلح ومبلغ کا رول بھی ادا کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ذرائعِ ابلاغ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے حسن وقبح اور جواز وعدم جواز کا دارومدار اس کے استعمال اور نیت ومقصد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں ذرائع ابلاغ کو اسلامی قانون اور ضوابط کی روشنی میں ملنے والے حقوق دیے جائیں، وہیں ان پر ایک محتسب اور نگراں بھی مقرر کر دیا جائے۔

تا کہ میڈیا ہر قسم کی بے راہ روی اور انحراف سے دور رہ کر معاشرے کی تعمیر اور ترقی کیلئے کام کر سکے۔ میڈیا میں درآنے والی برائیوں اور بے راہ روی کی وجہ سے ہی پریس ایسوسی ایشن کو گائڈ لائن جاری کرنی پڑتی ہے۔ اور پریس کونسل کے چیئرمین کو میڈیا کے اہل کاروں کو کھری کھوٹی سنانی پرتی ہے؛ اس لیے یہ ضروری ہے کہ میڈیا ہر قدم پر بین الاقوامی ضابطہ اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے حقائق کی ایسی ترجمانی کرے کہ اس کے ذریعے ایک صحت مند، بدعنوانی اور ہر قسم کی برائی سے پاک معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں رہ نمائی مل سکے۔ وہ خبروں کو نشر کرتے وقت فلاحِ عامہ اور انسانی عظمت و شرافت کا خیال رکھے۔ تعلیمی معلوماتی اور تفریحی مواد کی اشاعت کے وقت حزم و احتیاط کا دامن تھامے رکھے۔ مملکت اور ریاست کے حقوق اور اس کی عزت و توقیر کے تعلق سے اپنی ذمے داری کا ثبوت دے، جنسی جرائم اور بے حیائی پر مبنی پروگرام کی اشاعت سے اجتناب کرے، تا کہ میڈیا کا صاف ستھرا چہرہ عوام کے سامنے آئے اور اس کی معتبریت پر حرف نہ آئے۔ متنازعہ امور کی رپورٹنگ کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے کہ اس سے کسی خاص فریق کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ جیسا کہ دہشت گردی سے متعلق واقعات میں عموما ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ ذرائع ابلاغ اس واقعے پر ایسے سطحی تبصرے اور تجزیے نشر کرتے ہیں، جن سے ایک مخصوص طبقے کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بو آتی ہے۔

نیوز چینل اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ نیم عریاں رقاصاؤں اور فلمی اداکاروں کے ذریعے، ماورائے اخلاق پروگرام نشر کر کے فحاشی اور عریانیت کو فروغ نہیں دیں گے، چاہے ان کا TRP نیچے کیوں نہ آجائے اور انھیں اس کی بھاری سے بھاری قیمت ہی کیوں نہ چکانی پڑے۔ اور اخلاقیات کو کبھی بھی اقتصادیات کے تابع نہیں بنائیں گے، انھیں خطوط پر عمل کر کے ذرائع ابلاغ کی آزادی کا صحیح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اسلامی شریعت کی رو سے ملنے والی صحافتی آزادی کا بھرپور استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی میں ذرائع ابلاغ کی دائمی عزت و عظمت اور آبرو کا راز مضمر ہے۔ ''کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر'' ❍❖❍

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد (کبھی کبھی) یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَیِّبًا'' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اُس علم کا جو نفع مند ہو، اور ایسے اعمال کا جو تیری نگاہ میں قابل قبول ہوں، اور تجھ سے سائل ہوں حلال طیب روزی کا۔ (جامع زرین)

اگست، ستمبر میں فلو کے خطرات اور ہماری ذمہ داریاں

حکیم نازش احتشام اعظمی

لگ بھگ سات برسوں سے قومی دارلحکومت دہلی سمیت ملک کی متعدد ریاستوں، مرکز کے زیر انتظام علاقوں اور ملک کے لگ بھگ سبھی صوبوں کو ڈینگو، چکن گنیا، اور اس کے خاندان سے تعلق رکھنے والے دیگر مہلک ترین فلو نے سراسیمہ کر رکھا ہے۔ مذکورہ بالا امراض اس وقت اور بھی زیادہ شدید ہوکر وبائی شکل اختیار کر لیتے ہیں جب موسم باراں اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ چنانچہ اس سال بھی اطلاعات کافی حوصلہ آزما ہیں اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کا منظر صاف طور پر یہ وبائی امراض پیش کر رہے ہیں۔ مورخہ 7/اگست 2017ء کو اخبارات میں خبر یہ نمایاں رہی کہ اس سال برسات کا موسم آنے کے ساتھ ہی دہلی میں گزشتہ ایک ہفتے کے دوران ڈینگو کے معاملات بڑھ کر 185/تک پہنچ گئے ہیں، جبکہ چکن گنیا کے 45 نئے معاملے بھی سامنے آئے ہیں۔

یہ اعداد وشمار وہ ہیں جن تک سرکاری محکمہ کی پہنچ ممکن ہوسکی ہے، اگر اس میں وہ مریض بھی شامل ہوتے جو سرکاری اسپتالوں میں معالجین اور معالجات سے وابستہ عملہ کی جھڑکیوں، فرائض کے تئیں ان کی عدم دلچسپی اور مریضوں وان کے تیمارداروں کے ساتھ نارواسلوک کی وجہ سے سرکاری اسپتالوں میں جانے کی ہمت نہیں جٹا پاتے اور مجبوراً گلی محلوں کے اطباء کے سامنے ہی خود کو لٹا دیتے ہیں، اگر انہیں بھی اس فہرست شامل کر دیا جائے تو یہ تعداد کافی زیادہ حیران کن ہوجائے گی۔ ویسے ابھی تو یہ ابتدائی اعداد وشمار ہیں مستقبل قریب میں اس تعداد میں بڑی حد تک اضافہ ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔

خیال رہے کہ دہلی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے جاری تازہ ہفتہ وار اعداد وشمار میں یہ اطلاع دی گئی ہے۔ یہ اعداد وشمار دہلی کے ہیں، جبکہ قومی سطح پر فلو کے حملے بالخصوص ڈینگو کے سلسلے میں گزشتہ 4 جولائی 2017ء کو مرکزی وزیر صحت وخاندانی بہبود مسٹر جے پی نڈا نے جو رپورٹ پیش کی ہے، اس کے مطابق 4 جولائی تک ملک گیر سطح پر 18,760 افراد ڈینگو کا شکار ہو چکے تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس سال اب تک ڈینگو کے 18,760 معاملے سامنے آچکے ہیں۔ وزارت صحت نے ڈینگو کے حملے میں شدت کی اہم وجہ مانسون کے

جلد آنے کو بتایا تھا۔ سب سے زیادہ کیس کیرل میں درج ہوئے جہاں دو جولائی تک 9,104 لوگوں اس بیماری سے دوچار پائے گئے۔ دوسرے مقام پر تمل ناڈو رہا جہاں 4,174 لوگوں میں یہ بیماری پائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ ڈینگو کی وبا ملک میں کوئی پہلی بار حملہ آور نہیں ہوئی ہے، بلکہ تقریباً 2011ء سے ہی یہ وبا ہندوستانی عوام کو اپنا نوالہ بنا رہی ہے، پھر اس سے بچاؤ کیلئے اس طویل مدت میں کوئی مؤثر پلاننگ کیوں نہیں کی گئی۔ مسٹر جے پی نڈا کی اسی میٹنگ میں یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ اس وقت ہندوستان پر آفت بن کر نازل ہونے والی وباؤں میں صرف ڈینگو ہی نہیں، بلکہ فلؤ کی برادری سے تعلق رکھنے والی دوسری بیماریاں مثلاً چکن گنیا اور ملیریا وغیرہ بھی پیش پیش ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ مذکورہ صورت حال میں معالج کیلئے یہ طے کرنا آسان نہیں رہتا کہ مریض کو کس فلو کے جراثیم نے متاثر کیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ ملیریا کا شکار ہے، ٹائفائیڈ یا چکن گنیا یا ڈینگو کا نشانہ بنا ہے، یہ طے کرنے میں وقت لگ جاتا ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا سبھی بخاروں کی ابتدائی علامات میں یکسانیت پائی جاتی ہے، لہذا اصل بخار تک پہنچنے کیلئے پیتھالوجیکل جانچ ہی واحد راستہ بچ جاتا ہے، جس کی رپورٹ آتے آتے مزید ایک دور زصرف ہوجاتے ہیں اوراسطرح فلو کا مرض مہلک روپ دھار لیتا ہے۔

اس سال اطمینان بخش بات یہ ہے کہ مچھر سے پیدا ہونے والی ان بیماریوں سے اب تک کسی کی موت ہونے کی کوئی خبر نہیں ہے۔ جبکہ قومی خطہ راجدھانی دہلی میں چکن گنیا اور ڈینگو لاحق ہونے کے افزوں معاملات کے مدنظر سکریٹری (صحت وکنبہ بہبود) نے میونسپل باڈیوں اور دہلی سرکار کے افسروں سے آئندہ دو مہینوں کے دوران از حد خبردار رہنے کو کہا ہے اور انہیں بیداری پھیلانے، چکن گنیا کے تدارک اور روک تھام کے سلسلے میں اپنی تمام سرگرمیوں اور اقدامات کو منظّم کرنے کی تلقین کی ہے، تاکہ صورت حال پر مؤثر طریقہ سے قابو پایا جاسکے اور حالات بگڑنے نہ پائیں۔ وزیر صحت کی ہدایت پر سکریٹری سی کے مشرا نے وزارت صحت کے تحت پانی سے پھیلنے والی بیماریوں پر قابو پانے کے قومی پروگرام (این وی بی ڈی سی پی) کے ذمہ داران، دہلی حکومت اور میونسپل کارپوریشنوں سے ان کی آئی ای سی سرگرمیوں میں تال میل پیدا کرنے کیلئے کہا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ہر بیماری یا وباء کیلئے راست طور پر سرکاروں کو ہی ذمہ ٹھہرا کر ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ بحیثیت ایک ذمہ دار شہری ہمارا بھی فریضہ ہے کہ اپنے گردوپیش کو، اپنے اعزاء واقرباء اور پڑوسیوں کو اس جانب متوجہ کرتے رہا کریں، کہ وہ اپنے گھروں کے

اور محلوں میں صاف صفائی اور پانی کے استعمال میں محتاط رویہ اختیار کر کے خود اور اپنے اہل وعیال کو بھی فلو کی قیامت خیزی سے محفوظ رکھیں۔ واضح رہے کہ ڈینگو پھیلانے والا مچھر انسانوں کو طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت کاٹتا ہے۔ اگر اس کا دھیان رکھا جائے اور طلوع وغروب آفتاب کے وقت ہم اپنے طور پر گھروں کو الرٹ رکھنے کی ذمہ نبھالیں تو پورے کنبہ کو اس سے بڑی حد تک محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ڈینگو کی ابتدائی علامات کچھ یوں ہیں ''اچانک تیز بخار، سر میں درد، جوڑوں میں درد، آنکھوں کے پیچھے درد، جسم میں درد، جسم پر سرخ دھبے، بے ہوشی، پیشاب کے رنگ کا گہرا ہوجانا اور کم آنا، دھڑکن کا تیز ہونا، پیٹ میں درد، قے ہونا'' وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ علامات بگڑ جائیں تو ڈینگو بخار ہیمرجک بخار میں تبدیل ہوکر پہلے تو جسم سے خون کا رساؤ شروع کر دیتا ہے۔ جسم میں پلیٹ لٹیس کی سطح کم ہوجاتی ہے اور خون میں شامل پلازما بھی خارج ہونے لگتا ہے۔ بعد میں بلڈ پریشر بہت لو ہوجاتا ہے، جگر کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور انسان ''کوما'' میں چلا جاتا ہے۔

ڈینگو بخار کی تشخیص بلڈ ٹیسٹ سے ہوتی ہے۔ اس کی تشخیص ہوتے ہی ڈاکٹرز مریض کے جسم میں نمکیات کی مقدار کو بڑھاتے ہیں۔ درد کم کرنے کیلئے ادویات دیتے ہیں۔ اگر بخار ہیمرجک ہو تو ڈاکٹرز مریض کو پلیٹ لیٹس لگاتے ہیں۔ جب طبیعت ٹھیک ہونے لگے تو مریض کو پانی، تازہ جوس یخنی زیادہ دی جاتی ہے تاکہ اسم میں قوت مدافعت پیدا ہو۔ خیال رہے کہ اس بخار سے بچنے کے لئے اگر کچھ حفاظتی اقدامات کر لئے جائیں تو بہت موزوں ہوگا۔ سب سے پہلے پانی کہیں بھی کھڑا نہ ہونے دیں۔ گھر میں لگے پودوں، گملوں اور کیاریوں میں پانی نہ کھڑا ہونے دیں۔ ایک دن چھوڑ کر پودوں کو پانی دیا جائے۔ گھر میں پانی ذخیرہ نہ کیا جائے۔ اگر ضروری ہو تو پھر اسے ڈھانپ دیا جائے۔ اسٹور کی صفائی رکھی جائے، فالتو سامان اور پرانے ٹائروں کو تلف کر دیا جائے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر جالی لگوائیں۔ برسات کے موسم میں باہر کی چیزیں کھانے سے گریز کریں، کیونکہ کئی بار بیماری کے خلاف مزاحمت کم ہونے سے بیکٹیریا کا حملہ تیزی سے ہوتا ہے۔ فرائیڈ فوڈ نہ کھائیں، کیونکہ عمل انہضام اس موسم میں سست پڑ جاتا ہے، جس سے acidity کا مسئلہ ہوسکتا ہے۔ بارش کے موسم میں تلسی، ادرک، پودینہ، ہلدی، زیرہ اور کڑھی پتہ کا استعمال کریں، کیونکہ یہ ہاضمہ کو مضبوط بناتے ہیں اور پیٹ سے متعلق بیماریوں سے دور رکھتے ہیں۔ بارش میں پیٹ کی صفائی کے لئے تھوڑی مقدار میں شہد کا استعمال فائدہ مند ہوتا ہے، شہد آنتوں کو صاف کرتا ہے۔ مریض وٹامن سی سے بھرپور پھل جیسے سنترے

وغیرہ کھائیں تو اپنی قوت دفاع کو مضبوط رکھ سکتے ہیں۔ مانسون کے دوران کئی طرح کی جلد سے متعلق اور سردی زکام جیسی بیماریوں کا اندیشہ رہتا ہے۔ مانسون کے دوران بہتر صحت کیلئے کچھ خاص باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ماہرین نے مانسون کو دیکھتے ہوئے صحت سے متعلق کچھ اقدامات بتائے ہیں۔ اگر آپ بارش میں بھیگ گئے ہیں تو نہانا نہ بھولیں، اس سے آپ انفیکشن سے محفوظ رہیں گے۔ بارش کے پانی میں موجود پالیوشن آپ کے بال پر برا اثر ڈال سکتے ہیں اور آپ کے بال الجھے اور روکھے ہو سکتے ہیں۔ بالوں کے جھڑنے کا مسئلہ بھی ہوسکتا ہے۔ لہذا بارش میں بھیگنے پر بال کو اچھے شیمپو سے دھولیں اور کنڈیشنر لگائیں۔ بالوں کو صحت مند رکھنے کیلئے ہفتے میں کم از کم ایک بار تیل ضرور لگائے۔ مانسون کے دوران حفظان صحت کے تناظر میں ناخن کی صفائی پر کم توجہ دی جاتی ہے، لیکن ان کی صفائی بھی بے حد ضروری ہے، کیونکہ ان کے ذریعے جسم میں گندگی اور نقصان دہ بیکٹیریا داخل کر سکتے ہیں۔ اجمالی طور پر ہمیں اتنی بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ موسم باراں میں حملہ آور ہونے والے فلو کا سب سے بڑ دشمن صاف صفائی ہے۔ لہذا تمام شہریوں کو پینے کا صاف پانی میسر ہونا چاہئے اس کا نظم بھی صرف سرکار نہیں کرسکتی اپنی صحت کیلئے ہمیں بھی اپنی ذمہ داری نبھانی ہوگی۔ اگر لوگ کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ دھونے کی عادت ڈال لیں تو آدھی بیماریاں اسی سے کم ہو جاتی ہیں۔ ٹائیفائڈ' ڈائریا اور آشوب چشم جیسی بیماریاں گندے ہاتھوں سے پھیلتی ہیں۔ بیماری کا علاج تشخیص ہے اور پھر ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوا ہے۔ لوگوں کو صرف ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوا ہی کھانی چاہئے۔ اسی طرح بچوں کو حفاظتی ٹیکے ضرور لگوانے چاہئیں۔ ہمیشہ اپنے ہاتھ پیر کے ناخن چھوٹے رکھیں اور ان کو صاف رکھیں۔ مانسون میں سردی زکام ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بارش کے پانی میں بیکٹیریا پنپتے ہیں، لہذا اپنے پاس Hand sanitizer ضرور رکھیں۔ ❍❖❍

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ'' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے، فقر وفاقہ سے اور قبر کے عذاب سے۔ (جامع ترمذی)

سیلاب متاثرین کی مدد کرنا ملی واخلاقی فریضہ ہے

مفتی ابوذر قاسمی، امام مسجد حرا نیو عظیم آباد کالونی، سیکٹر ڈی، پٹنہ

اللہ کا ارشاد ہے: کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ اس قرض کے ثواب کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے اور اس کا اندیشہ مت کرو کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا، کیونکہ یہ اللہ ہی کے قبضے میں ہے، وہی کمی کرتا ہے وہی فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (البقرۃ ۲۴۵) کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح اخلاص کے ساتھ قرض کے طور پر دے، پھر خدا تعالیٰ اس کو اس شخص کیلئے ثواب بڑھاتا چلا جائے اور اس کیلئے پسندیدہ اجر ہے۔ (الحدید ۱۱) دوسری جگہ ارشاد ہے: بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں۔ یہ صدقہ ثواب کے اعتبار سے ان کیلئے بڑھا دیا جائے گا۔ (الحدید ۱۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے قرض حسن کا مطالبہ کیا ہے۔ قرض دراصل یہ ہے کہ اللہ کا محتاج، ضرورت مند اور بے کس بندوں کی مدد کی جائے۔

چنانچہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کی اولاد سے فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی! بندہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں کیسے تیری تیمارداری اور بیمار پرسی کرتا؟ تُو تو رب العالمین ہے! اللہ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی خبر لیتا اور تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا: اے خداوند میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ تو تو رب العالمین ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا۔ کیا تجھے علم نہیں۔ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ اے ابن آدم! میں نے پینے کیلئے پانی تجھ سے مانگا تھا۔ تو مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا میں تجھے پانی کیسے پلاتا؟ تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پینے کیلئے پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ (مسلم)

محتاج بندوں پر صرف کرنا بے سہاروں کو سہارا دنا اور کسی کار خیر میں حصہ لینا ثواب کا کام اور اجر عظیم

کے مستحق ہے۔نیز یہ عند اللہ حصول تقرب کا ذریعہ اور عبدیت سے قریب ہے۔البتہ یہ فضائل زکوۃ کے علاوہ مال خرچ کرنے کے ہیں۔قرآن کریم میں ہے:صحابہ کرام ﷡ نے رسول ﷺ سے انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں دریافت فرمایا تو وحی نازل ہوئی،لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ جواب دیجئے،جو ضرورت سے زائد ہو۔(البقرۃ۲۱۹) اپنی ضرورت،اپنے اہل وعیال،ماتحت میں رہنے والے افراد نیز دیگر لوازمات کی تکمیل کے بعد مابقیہ رقم کو بے کسوں پر صرف کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کیلئے اپنا محبوب عموال کو راہ خدا میں صرف کیا جائے،چنانچہ سورۃ ال عمران میں موجود ہے اے مسلمانو!''تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔''تو صحابہ کرام ﷡ نے اپنے اپنے پسندیدہ مال پر نظر ڈالی اور اللہ کے راستے میں اسے صدقہ کردیا۔کسی نے اپنے باغ کو،تو کسی نے چشمہ کو،تو کسی نے گھوڑے کو،تو کسی نے باندی اور غلام کو آزاد کردیا۔تاکہ انسانوں کی بھلائی اور بے کسوں کی بے کسی سے نجات حاصل ہوجائے اور آسانی سے اپنی ضرورت کو پوری کرلیں۔

اسلام نے مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ بھلائی کی ترغیب دی ہے اور قدم قدم پر رہنمائی کی ہے،بھوکوں کو کھانا کھلانا،پیاسوں کو پانی پلانا،ننگوں کو کپڑا پہنانا۔کھلے آسمان کے نیچے تپتی زمین اور چلچلاتی دھوپ،کڑاکے کی سردی سے مجبوروں کو بچانے کیلئے کام کرنا عنداللہ محبوب ہے اور اس کا بڑا ثواب ہے اور اس سے اللہ کا تقرب حاصل ہوگا۔رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:جو کسی مسلمان کی دنیوی تکالیف و پریشانی دور کرے گا،اللہ قیامت کے دن کی تکالیف و پریشانی سے اس کو نجات دے گا۔جو شخص کسی تنگ دست کو سہولت دیگا اللہ دنیا اور آخرت میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائے گا۔جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ پردہ پوشی کریگا،اللہ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو بندہ جب تک اپنی کسی بھائی کا امداد واعانت کرتا رہیگا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا۔(ترمذی) رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:جو مسلمان کسی برھنہ مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ جنت کے سبز جوڑے عطا کرے گا۔جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائیگا اللہ تعالیٰ جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا۔جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائیگا اللہ تعالیٰ اس کو شراب طہور پلائے گا۔جس پر جنت کی مہر لگی ہوگی۔(معارف الحدیث) اس طرح اپنے بھائی کی مدد کرنا ملی و اخلاقی فریضہ ہے۔ایک موقع پر رسول ﷺ نے فرمایا:جو مسلمان اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کو کپڑا پہناتا ہے

تو اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے جب تک اس کپڑا کا ایک چیتھڑا بھی اس کے تن پر رہتا ہے۔ (مشکوۃ)

بہار کے تقریباً بہت سے اضلاع میں سیلاب کا قہر جاری ہے جو قیامت صغریٰ سے کم نہیں۔ جس پہ سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا نیز دیگر ذرائع ابلاغ سے خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں نے آنکھوں دیکھا حال بھی بیان کیا ہے۔ جس کو سن کر بدن کانپ جاتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے ان کے آشیانہ اُجڑ رہے ہیں، خورد و نوش کے سامان، مویشی اور دیگر املاک کو خس و خاشاک کی طرح سیلاب کی پانی بہا کر لے جا رہے ہیں۔ ''بندے دیکھتے کیا نہ کرتے'' کہ کچھ نہ کر پائے بہ مشکل تو اپنی جان بچائی، پھر بھی سینکڑوں افراد تو سیلاب کے لقمہ اجل بن گئے۔ متاثرین مایوس نگاہوں سے دیکھتے رہے، پر خون کے آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب سب کچھ کھو جانے کے بعد سیلاب زدگان سڑکوں، ٹیلوں اور دوسرے محفوظ مقام پر پناہ گزیر ہیں۔ ادھر اپنے قیمتی املاک ضائع ہونے کا غم ہے تو ادھر بھوک و پیاس کی شدت، چلچلاتی دھوپ اور بارش سے بچنے کیلئے کوئی سایہ اور نہ فرش پر بچھانے کیلئے کوئی بچھونا، بچے بھوک و پیاس کی شدت سے تلملا رہے ہیں تو ماؤں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے، تو نوجوانوں کے آنکھوں سے آنسو ختم ہو چکے ہیں، مفلسی ہی مفلسی، کسی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بھلائی کا کام صدقہ ہے۔ (مشکوۃ) مجبور بے کس لوگوں کی مدد کرنا مال میں برکت کا سبب ہے۔ بلکہ ملائکہ خرچ کرنے والوں کیلئے دعاء کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے: ہر روز جب بندوں پر صبح کا وقت آتا ہے تو ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ دعاء کرتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو بدلہ عنایت فرما اور دوسرا یوں کہتا ہے اے اللہ! مال روکے رکھنے والوں سے دوچار فرما۔ (مشکوۃ) ایسی حالت میں امت مسلمہ کے ہر فرد کو چاہیئے کہ ان کا تعاون کریں، ان کا سہارا بنیں، ان کی پریشانی کو اپنی پریشانی تصور کریں۔ ان کے غم کو مٹانے کی فکر کریں۔ ان کے گھر بسانے کیلئے آگے آئیں، کھانے پینے کے سامان کا انتظام کریں جن کے اعزہ و اقارب سیلاب کے زد میں آگئے ان سے تسلی کی باتیں کریں۔ بلکہ ایسے موقع پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور امداد و اعانت کریں نیز نا مساعد حالت کے موقع پر مذہب اسلام نے قومی یکجہتی اور رواداری کو آگے بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ ایسے موقع پر انسانیت کی بنیاد پر کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ مسلمان بھائی کی مدد کرنا قابل تحسین و اجر عظیم کا باعث ہے۔ تو انسانیت کی بنیاد پر تمام انسانوں کے ساتھ ہمدردی کرنا بھی لائق تحسین ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر انسانیت کی بنیاد پر خدمت کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ❍❖❍

اس ملک میں جو بھی بولے گا مارا جائے گا

صفدر امام قادری

نریندر مودی کی قیادت کے ابھی ساڑھے تین برس پورے نہیں ہوئے مگر ملک کے انتظامی حالات یہ اعلان کرر ہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہم خانہ جنگی اور سول وار کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہر گلی محلے میں آر ایس ایس اور بھاجپا کی نئی نئی قسمیں جنم لے رہی ہیں جن کا ایک ایجنڈا ہے کہ ہندستان میں اُن کے کاموں سے جو اختلاف کرے گا، اسے مار دیا جائے گا۔ سیاست میں تبادلہ خیال، ایک دوسرے سے اختلاف اور سیاسی سطح پر جنگ کی واردات تو عام ہے مگر اب نریندر مودی کی قیادت میں وہ دور آرہا ہے جہاں ان کے سیاسی اصولوں سے کسی کو اختلاف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود اگر کسی نے جرأت کی تو اسے انفرادی طور پر نشانہ بنا کر ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے گا۔

ایک صحافی یا چند اہلِ قلم کی جان کو ختم کر دینے سے اگر لفظ و بیان کا جوش اور ولولہ یا لکھنے والوں کے خواب مسمار ہو جاتے تو یہ دنیا ادیبوں، شاعروں، دانش وروں اور صحافیوں سے کب کی خالی ہو چکی ہوتی۔ ہر اقتدار نے خیال کی آزادی کو اپنے لیے ہمیشہ خطرہ مانا ہے۔ دنیا کے بہت سارے بادشاہوں، مطلق العنان حکمرانوں اور ڈکٹیٹروں کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ ہمیشہ آزاد خیال اصحاب قلم کو ناپسندیدہ گردانتے تھے اور جب جب انھیں مواقع حاصل ہوئے، انھیں نقصان پہنچانے یا ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے سے کبھی دریغ نہ کیا۔ مگر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اُن جابر حکمرانوں کو زمانے نے اپنے تلووں کے نیچے کر دیا اور آزاد خیال دانش وروں کیلئے پھول اور ستارے پیش کیے۔

نریندر مودی نے گجرات فسادات اور اس کے بعد کے انتظامی ڈھانچے کو پورے ہندستان کیلئے نافذ کرنے کا ایک سیاسی ماڈل استعمال کیا ہے۔ بہت حد تک انھیں اس میں کامیابی بھی ملی ہے۔ گجرات میں جس طرح نریندر مودی اور امت شاہ مل کر جمہوری اقدار کی پامالی کا سلسلے وار منصوبہ قائم کرتے تھے، انھی لوگوں کو اب مرکز میں رہ کر اقتدار کی زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کر کے اسے نافذ کرنا ہے۔ مرکز کی حکومت کے بعد نریندر مودی نے جیسے ہی امت شاہ کو بھارتیہ جنتا پارٹی کی صدارت سونپی، اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ اس ملک کو گجرات بنانے کیلئے تیار کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد سلسلے سے ایک ایک صوبے میں حکومتیں بننے لگیں اور بھاجپا کے ایسے ایسے وزرائے اعلا سامنے آئے جنھوں نے خود بھی کبھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ وہ اپنے صوبے کی کمان سنبھالیں گے۔ ہریانہ میں کھٹر، مہاراشٹر میں فرنویس اور جھارکھنڈ میں رگھوور داس کے بعد اتر پردیش میں یوگی آدتیہ ناتھ۔ کسی کو ایک

دن کا بھی انتظامیہ چلانے کا تجربہ نہیں۔زیادہ سے زیادہ سنگھ پر چارک کی ان کی حیثیت تھی مگر انھیں یہ موقع دیا گیا۔
شتروگھن سنہا نے بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار کو ایک زمانے میں اسکوٹر پارٹی کہا تھا۔ان کا مطلب یہ تھا کہ ہندستان کی حکومت کو نریندر مودی، امت شاہ اور کچھ حد تک ارون جیٹلی چلا رہے ہیں۔ڈھائی برس سے زیادہ مدت تک وزیر دفاع کی جگہ خالی رہی اور جب اس کیلئے ابھی نام طے ہوا تو لوگ چونک گئے کہ کیا بھارتیہ جنتا پارٹی کو اپنے کام کو سمجھنے والے تجربہ کار لوگ نہیں مل رہے ہیں۔پورے ملک میں یہی سلسلہ ہے۔بھاجپا جیسے جیسے نئے لوگوں کو ذمے داری دیتی جا رہی ہے وہاں نوسیکھیے افراد کا بول بالا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ یہ انجانے پن میں ہو رہا ہے یا اتفاقاً ایک سلسلے سے ہوتا چلا گیا۔
حقیقت یہ ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی نریندر مودی اور امت شاہ کی قیادت میں پہلے دن سے تیسرے درجے کے سیاسی کارکنوں اور گمنام چہروں کے بل پر اپنی کارکردگی پیش کرنے کیلئے کوشاں ہے۔مقصد واضح ہے آر ایس ایس میں ہر چند گنتی کے دو چار دس بزرگ لوگ ہیں مگر وہاں بھی زمینی سطح پر نئے چہروں کی بہتات ہے۔یہ چہرے سیاسی اعتبار سے ان پڑھ اور گنوار، مذہبی تعلیم سے بے بہرہ اور سماجی معاملات کے بالکل ہی غیر جانکار افراد کے ہیں۔ انھیں ہندستان کا قانون بھی نہیں معلوم ہے اور نہ ہی یہ لوگ ہندستان کی تاریخ اور تہذیبی وثقافتی فروغ سے واقفیت رکھتے ہیں۔پرانے سوشلسٹوں، کمیونسٹوں اور آر ایس ایس کارکنان کے بارے میں ایک تصور رہا ہے کہ اپنے سیاسی نشانات میں الگ الگ ہونے کے باوجود یہ لوگ پڑھے لکھے آدمی ہوتے تھے۔انھیں اپنی سیاست کے اصول وضوابط بھی معلوم تھے اور غیروں کے ساتھ جینے مرنے کے آداب بھی وہ جانتے تھے۔
آج ہندوتووادی گروپ کی جانچ پرکھ کی جائے تو ان میں سے اکثر وبیش ترغنڈے، ٹھیکیدار اور سیاسی دلال قسم کے افراد نظر آتے ہیں۔ان میں یہ طاقت ہے کہ وہ کسی سے بھی بزورِ بازو اپنی بات منوالیں۔بابری مسجد کیلئے جب ہنگامہ شروع ہوا تھا تو اس وقت نئی نئی تنظیمیں قائم ہو رہی تھیں۔اس کا مقصد واضح ہوتا ہے کہ بڑی سیاسی جماعت کو ان سے جو کام لینا ہے وہ لیتی رہے گی۔بدنامی یا سیاسی اعتبار سے کوئی پریشان کن مرحلہ آئے گا تو وہ ان چھوٹی جماعتوں کے سر جائیگا۔گاؤرکچھک سے لے کر گاؤں گاؤں میں نئی نئی کیرتن ٹیمیں نظر آ رہی ہیں۔ان میں سے کسی کا کوئی مذہبی مقصد نہیں۔یہ سب بھارتیہ جنتا پارٹی کے سیاسی مفادات کیلئے وقف ہیں۔ان سے بھارتیہ جنتا پارٹی ماحول اور فضا کو مسموم بنانے کا کام لیتی ہے جو اگلے ڈیڑھ برسوں میں ووٹ کی شکل میں تبدیل ہونے کی گنجائشیں پیدا کرے گی۔
پورے ہندستان میں خاص طور سے بھارتیہ جنتا پارٹی کی جہاں جہاں حکومتیں ہیں، وہاں انتظامیہ کی سطح پر

عجیب نا گفتہ بہ کیفیت ہے۔اتر پردیش میں ہر اسپتال میں بچوں کے مرنے کا سلسلہ در سلسلہ قائم ہے۔بار بار یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسپتال انتظامیہ نے اپنی نااہلی سے سیکڑوں بچوں کی جان لی۔ریل کے وزیر تو بدل گئے مگر حادثوں کا سلسلہ اسی طرح سے قائم ہے۔وزیر اعظم ''من کی بات'' اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے معلوم ہو کہ ان کے پاس کوئی پڑھا لکھا اسکرپٹ لکھنے والا بھی نہیں ہے۔حکومت کے پہلے سال میں یوم اساتذہ کے موقعے سے وزیر اعظم نے خود استاد بن کر پورے ملک کے طلبا اور اساتذہ کی کلاس لی تھی۔ابھی ابھی یہ خبر آئی ہے کہ سوموار کو وزیر اعظم تمام یونی ورسٹیوں کے اساتذہ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔یو جی سی نے تمام یونی ورسٹیوں کو یہ ہدایت جاری کی ہے کہ وزیر اعظم کی تقریر سننے کیلئے تمام اساتذہ دم بخود ہو کر یکجا ہوں،اس کا یونی ورسٹیاں انتظام کریں۔

سوال یہ ہے کہ جس حکومت میں عام معمولات کے کام رکے پڑے ہوں، جہاں پڑھے لکھے لوگوں کو ذلیل اور خوار قرار دیا جا رہا ہو اور انصاف کی بات سچائی اور ایمان کے ساتھ رکھنے والوں کو گولیوں سے بھنا جا رہا ہو، بڑے سے بڑے مسئلے پر وزیر اعظم خاموش یا بے پروا نظر آ رہے ہوں، وہاں یونی ورسٹی کے اساتذہ کو آخر وہ کون سا درس دیں گے؟ نریندر مودی کے ایم اے اور بی اے کی ڈگری کی جعل سازی پر اخباروں میں بہت کچھ لکھا گیا، وہاں آخر وہ کون سا معیارِ اخلاق اور مقصدِ تعلیم و تعلم کی وضاحت کرنا چاہیں گے؟ کیا وہ اعلا تعلیم کی دانش ورانہ حیثیت اور آزاد خیالی پر قدغن لگانے کی تیاری میں مصروف ہوں گے؟ کیا وہ یہ چاہیں گے کہ جیسے جیسے وہ مرکزی یونی ورسٹیوں میں آر ایس ایس کے کارکنوں کو وائس چانسلر بنا کر اور ان کے ذریعہ بھاجپائی نوجوانوں کو یونی ورسٹیوں میں بھرنے کیلئے کوشاں ہیں، اس کی یونی ورسٹیاں بہ خوشی توثیق کریں؟

افسوس ہندستان میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے خلاف جو سیاسی پارٹیاں میدان میں ہیں، ان میں اتحاد اور مستقبل شناسی کی بہت کمی ہے۔راہل گاندھی کی نقلی قیادت سے شاید ہی اس ملک کا بھلا ہو۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر طرح کے سیاسی قائدین کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور باقی ماندہ ڈیڑھ برسوں میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں سے باہر نکل کر پورے ملک کے سیاسی کارکنوں اور دانش وروں سے صلاح و مشورہ کر کے کوئی نیا ایجنڈا سامنے لانا چاہیے۔اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو اتر پردیش میں جس آسانی سے باپ بیٹے کی لڑائی میں بھاجپا نے اپنے لیے بڑی آسانی سے راستہ تلاش کر لیا، اسی طرح پورے ملک میں 2024ء تک بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے گی اور تب سِول وار نہیں بلکہ عالمی جنگ کی صورتِ حال سامنے آئے گی۔بقولِ اقبال: ''نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو''۔

❍❖❍

درد دل درد آشنا جانے

از: محمد عباس دھالیوال، مالیر کوٹلہ ضلع سنگرور، پنجاب

اس سے پہلے کہ ہم میانمار کے روہنگیا مسلمانوں پر ہو رہے ظلم وتشدد کے حالات کو زیر بحث لائیں، آیئے ہم مختصراً میانمار برما کی تاریخ اور روہنگیا مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ برما کے علاقہ اراکان اور بنگلہ دیش کے علاقہ چاٹگام میں رہنے والے مسلمانوں کو روہنگیا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ برما میں اسلام کی آمد کے آثار 1050ء سے ملتے ہیں، جب اسلام کے ابتدائی سالوں میں عرب مسلمان تجارت کی غرض سے برما آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ جنوبی مشرق ایشائی میں واقع یہ ملک جسے آجکل ''میانمار'' کہا جاتا ہے اس کو پرانے نام ''برما'' سے بھی جانا جاتا ہے۔ میانمار 1937ء تک برصغیر کا ہی حصہ سمجھا جاتا تھا اسکے بعد برطانیہ کی طرف سے اسے ایک علاحدہ کالونی کا درجہ دے دیا گیا اور 1948ء تک یہ علاقہ برطانیہ کے زیر تسلط رہا۔ مغل سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو بھی اپنی جلاوطنی کے دن اسی برما میں کاٹنے کیلئے مجبور ہونا پڑا، رنگون میں انکی قبر آج بھی مغل سلطنت کے زوال اور برطانوی سفاکیت کی داستان سناتی نظر آتی ہے۔ اس وقت میانمار کی قریباً 5 کروڑ 60 لاکھ کی کل آبادی میں 89 فیصد بودھی، 4 فیصد مسلمان، 4 فیصد عیسائی، ا فیصد ہندو اور دو فیصدی دیگر قومین آباد ہیں۔

اب میانمار کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ جس مہاتما بدھ کو دنیا امن کا پیامبر اور یکجہتی کا داعی سمجھتی ہے اور انکے فکر وفلسفہ کے مطابق جس نے کسی جانور کو قتل کیا ایسا ہی ہے گویا اس نے انسان کو قتل کیا۔ لیکن مہاتما بدھ کے ماننے والے اس میانمار سے گزشتہ ۲۵ اگست سے جس طرح سے، روز سوشل میڈیا پر برما کی فوج اور نام نہاد بودھی پیروکاروں کی طرف سے ایک سوچے سمجھے منصوبے تحت مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے قتل وغارت اور نسل کشی اور انکے دیہاتوں کو نذر آتش کیے جانے کی خبریں آرہی ہیں وہ دنیا کے ہر امن پسند انساں کے لیے تشویش کا باعث ہیں۔ ان دل دہلا دینے والے واقعات نے انسانیت کا تھوڑا سا جزبہ رکھنے والوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تبت کے بودھی دھرم گورو دلائی لامہ کو بھی کہنا پڑا ہے کہ برما میں ہو رہا قتل عام کھلی دہشت گردی ہے اور ایسی دہشت گردی کی بودھ دھرم قطعی اجازت نہیں دیتا۔ دلائی لامہ کے مزکورہ بیان سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مہاتما بدھ کی تمام تعلیمات اور اخلاقیات کو یکسر بھلا دیا ہے۔ لیکن اس پر دنیا کی خاموشی دراصل مجموعی انسانیت کو شرمسار کر رہی ہے اور برما میں پرتشدد واقعات وخونی کھیل کا بازار جس طرح سے گرم ہے اسے دیکھ کر یقیناً حیوانیت بھی شرم سار ہو رہی ہے اتنا ہی نہیں مزکورہ قتل عام اور نسل کشی کے واقعات دنیا

میں دہشت گردی کے خلاف چل رہی مہم کو منہ چڑاتے نظر آرہے ہیں، لیکن افسوس کہ خود کو ترقی یافتہ وحقوق انسانی کے علم بردار کہلانے والے ملک برما کے مظلوم لوگوں پر ہو رہے ظلم تشدد کو ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا خوب کہا کسی نے کہ: بڑھنے کو بشر چاند سے بھی آگے بڑھا ہے۔ یہ سوچئے کردار گھٹا ہے کہ بڑھا ہے۔

برما کے ان حالات پر سیاسی ماہرین کا یہی کہنا ہے کہ آج دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک دہشت گردی کو دوچشمی عینک لگا کر دیکھ رہے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو دنیا میں انسانی حقوق، یکسانیت وجمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ملک مزکورہ میانمار میں ناحق ہو رہے قتل عام کی سخت مذمت کرتے اور میانمار کی سرکار کو اس پر قابو پانے کیلئے دباؤ بناتے۔ دنیا کے کسی بھی کونہ میں ہونے والے دہشت گردی کے حملہ کی سخت الفاظ میں مذمت کرنے والے ملک برما کے روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کیلئے جانے پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں یقیناً انکی یہ خاموشی ہر امن پسند انسان کے ذہن کتنے ہی سوال کھڑے کرتی ہے۔ ایسے نازک حالات میں جب کہ برما کے روہنگیا مسلمانوں پر ہر طرف سے زندگی کا کافیہ تنگ کیا جارہا ہے اور وہ خود کو بے یارو مددگار محسوس کررہے ہیں۔ اسی بیچ مذکورہ تمام طرح کی سیاسی جمع تفریق سے بالاتر ہوکر ایک صدائے حق اٹھتی ہے مجھے یقین ہے جب موجودہ عہد کی تاریخ لکھی جائے گی تو برما کے ان مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے حق میں اٹھنے والی اس آواز کی بدولت ترکی کے صدر اردگان اور انکی اہلیہ امینہ کا نام تاریخ میں وقت کے صفحات پر سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا۔

ترکی کے صدر رجب طیب اردگان کی طرف سے ان مظلوم مسلمانوں کے حق میں کھلے دل سے آگے آنا یقیناً اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ انسانیت ابھی زندہ ہے جس طرح سے انہوں نے برما کے ان مظلوم پناہ گزینوں کیلئے آواز بلند کی ہے وہ ایک خوش آئند بات ہے اور دنیا کی دوسری سپر پاور طاقتوں کیلئے ایک سیکھ وسیدھ لینے کا مقام ہے۔

بے شک اس وقت ترکی کے صدر کی شخصیت برما کے مظلوم مسلمانوں کیلئے کسی مسیحا سے کم نہیں۔ روہنگیا مسلمانوں کے مسئلہ کو لیکر ترک صدر اردگان نے نہ صرف بنگلہ دیش کی وزیر اعظم سے پناہ گزینوں کیلئے اپنے ملک بنگلہ دیش کی سرحدیں کھولنے کی درخواست کی بلکہ ان مہاجرین کا تمام خرچہ اپنی ترک سرکار کی طرف سے اٹھانے کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی انہوں نے برما کی حاکم آنگ سان سوکی سے بھی روہنگیا مسلمانوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کو لیکر فون پر بات چیت کی۔ جبکہ انکی اہلیہ امینہ اردگان نے بنگلہ دیش کے مہاجرین کیمپس کا خود دورہ کرتے ہوئے روہنگیا کے مسلمانوں کے دکھ درد کو سن کر انکو ہر طرح کی امداد دینا یقینی بنایا۔

ترکی کے صدر اور انکی اہلیہ نے برما کے مسلمانوں کیلئے جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں اسکے تعلق سے یہی کہونگا کہ: درد دل درد آشنا جانے ......اور بے درد کوئی کیا جانے ❍❖❍

برمی مسلمان اور اقوام متحدہ

راحت علی صدیقی قاسمی

برما میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے واقعات کی طویل داستان ہے، درد تکلیف مصائب کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے، سولہوی صدی کے نصف میں قربانی کرنے پر پابندی عائد کردی گئی، مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا گیا، مذہبی فریضہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، اوران کے خون سے اپنی خوشی کا سامان مہیا کیا گیا۔ 1752ء میں پھر اس طرح کے واقعات رونما ہوئے، مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ 1782ء میں تاریخ کے سینے پر وہ ہولناک مناظر رقم ہوئے، جنہیں تاریخ کے جسم کا بدنما داغ قرار دیا جائے، تو بیجا نا ہوگا۔ وہ قوم جو محبت کی پیامبر ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، جانوروں کے حقوق کیلئے آواز بلند کرتی ہے، چیونٹی کے قتل کو بھی باعث گناہ خیال کرتی ہے، اس قوم کے بادشاہ بودو دھاپہ نے مسلمانوں کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا، انکار کرنے پر انہیں قتل کرڈالا، علماء قتل کئے گئے، بچے بوڑھے جوان تہ تیغ کردئے گئے، جانوروں کی بلی روکنے والوں نے انسانوں کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھائی، 1938ء میں انگریزوں کے خلاف مقابلہ کرتے ہوئے، ان لوگوں نے مسلمانوں کے خون کی ارزانی کا ثبوت پیش کیا اور انہیں ڈھال بنا کر استعمال کیا ان کے اوپر گولیاں برسی، بہت سے مسلمانوں کو قتل کردیا گیا۔ 1962ء سے 1982ء تک ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کردیا گیا، 1997ء سے، 2001ء تک مسلمانوں پر ظلم وجور کے مسلسل واقعات ہیں، مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا، ان کے حقوق چھینے گئے، ان کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا، ان کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کیا گیا، کپڑے اتار دئے گئے کھالیں نوچ لی گئیں، سر دھڑ سے جدا کردئے گئے، بچے نیزوں پر اچھالے گئے، 2011ء برما میں جمہوریت قائم ہوئی اور آن سانگ سوچی کی جہد مسلسل کامیاب ہوئی، قلب پر یہ احساس وارد ہوا کہ مسلمانوں پر ہورہے مظالم ختم ہوجائیں گے، ان پر ہورہی سختیاں آسانیوں میں بدل جائیں گی، انہیں کھلی فضاء میں سانس لینے کا موقع فراہم ہوگا، ان کی خوشیاں لوٹ آئیں گی، مگر یہ خیال خام ثابت ہوا، اور 2012ء میں ایک بودھ لڑکی نے اسلام قبول کیا، اسلام سے دشمنی رکھنے والے بغض وعناد حسد و کینہ رکھنے والے اس عمل کو برداشت نہ کرسکے، اور اس کی مخالفت کیلئے کمربستہ ہوگئے، پھر سے مسلمانوں کے خون سے برما کی گلیاں رنگین کی گئیں، جمہوریت کی عزت تار تار کی گئی، انسانیت کو شرمسار کیا گیا، اقوام متحدہ کے مطابق حالات اتنے سنگین تھے کہ 80/ہزار مسلمانوں کو وطن عزیز چھوڑنا پڑا، ہجرت پر مجبور ہونا پڑا، اور یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ 2013ء میں پھر سے بقرعید میں جانور ذبح کرنے پر پابندی لگائی گئی، جانوروں کی حفاظت کا ڈھونگ رچ کر انسانوں کو قتل کردیا گیا، 50/سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے، اور پوری دنیا

خاموش تماشائی بنی رہی، امن کے دعوی داروں کو سانپ سونگ گیا، محبت کا راگ الاپنے والے گونگے ہو گئے، انسانیت کا نعرہ بلند کرنے تماشاء بنے رہے، وحشت و دہشت کا کھیل جاری رہا، آج بھی جاری ہے لاکھوں مسلمان ہجرت کر چکے ہیں، 40/ہزار ہندوستان میں ہیں، لاکھوں کی تعداد ترکی اور پاکستان میں ہے، بنگلہ دیش میں ہیں، بنگلہ دیش کی وزیر اعظم ان کو نکالنے کیلئے بے چین ہیں، شاید انہیں انسانی جانوں کی قیمت کا اندازہ نہیں ہے، یا وہ برما کہ حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں برمی مسلمان کی موجودگی کھائے جا رہی ہے، اور وہ انہیں پل بھر میں باہر نکالنا چاہتی ہیں، برمی مسلمانوں سے بنگلہ دیش کو صاف کر دینا چاہتی ہے، ہندوستان کے وزیر اعظم بھی یہی چاہتے ہیں، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ انسانوں کی حفاظت دنیا کے تمام قوانین کے مطابق اولین فریضہ ہے، پھر ساری کائنات کیا کر رہی ہے؟ کیوں برمی مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا وہ صرف ترکی ایران اور پاکستان ہی کی ذمہ داری ہے؟ کیا برمی مسلمانوں نے وہاں قبضہ کیا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات عیاں کرتے ہیں، کہ یہ جنگ اسلام مخالف ہے، مذہبی عناد کی بناء پر مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے، ورنہ تاریخ گواہ اراکان 1784ء تک مسلمانوں کا ملک تھا، وہ اس میں آزادی سے رہتے تھے، اپنے اعتقاد کے مطابق زندگی گذارتے تھے، پھر انہیں غلام بنالیا گیا، اور وہ ایک ظالم قوم کے عتاب کا شکار ہو گئے، اس حقیقت کی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے قابض کون ہے؟ روہنگیاں مسلمانوں کو نکالنے کا دعوی کیا جا رہا ہے، لیکن اعداد وشمار بیان کرتے ہیں روہنگیاں قوم پوری دنیا میں صرف 14/لاکھ 20/ہزار ہے، اور برما میں صرف 8/لاکھ جب کہ برما میں مسلمانوں کی تعداد 20/لاکھ ہے، اور برما کی اکثر آبادی ان کے خون کی پیاسی ہے، روہنگیا کے نام پر تمام مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے؟ دوسرا سوال روہنگیاں کو قتل کرنے کا کیا مطلب؟ کس جرم کے بدلہ میں انہیں سزائے موت دی جا رہی ہے، اور وہ بھی اتنے بھیانک انداز سے، انہیں ہجرت بھی نہیں کرنے دی جا رہی ہے، آخر کیوں؟ ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے، اقوام متحدہ کیا کر رہا ہے؟ سلامتی کونسل نے کیا کیا؟ کیا قراداد منظور ہوئی، کس نے اس پر عمل کیا؟ ان سوالات کے ضمن چند حقائق سے روبرو کرانا ضروری سمجھتا ہوں، دسری جنگ عظیم کی ہولناک تباہی اور خوفناک مناظر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ پوری دینا کو محبت کے رنگ میں رنگا جائے، لوگوں کی جانوں اور ان کے حقوق کی حفاظت کے پختہ انتظام کئے جائیں، معصوم بے گناہ افراد کا قتل نہ کیا جائے، ان کے حقوق تلف نہ ہوں۔

ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے، اقوام متحدہ (uno) کا قیام عمل میں آیا، 25/اپریل 1945ء سے

26 / جون 1945ء تک امریکہ میں پچاس ملکوں کی کانفرنس منعقد ہوء 24 / اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کی پیدائش ہوئی، لوگوں حفاظت ملکوں کے آپسی تعلقات اس تنظیم کا اولیں فریضہ تھا، اور حقوق کا دعویدار کون تھا، یہ سنیں گے تو چونک اٹھیں گے، دوسری جنگ عظیم کی تباہی کا ہیرو امریکہ، اس تنظیم کا نام رکھنے والا فرینکلن ڈلانو روز ولیٹ دوسری جنگ عظیم کا قائد جاپان میں انسانیت کا قہر برپا کرنے والا، آج وہ انسانیت کا ہمدر بن رہا تھا، جس نے اپنے ملک میں رہنے والے ایک لاکھ بیس ہزار جاپانیوں کو گرفتار کرایا تھا، حالانکہ اس کی خفیہ ایجنسیاں اور محققین کا طبقہ انہیں خطرہ نہیں گردان رہا تھا، جس نے زندہ انسانوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا، شہر کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا، لوگ اس کی اطاعت کیلئے تیار ہو گئے حالانکہ ابھی تباہی کے نشانات موجود تھے زخم مندمل نہیں ہوئے تھے، یہ اطاعت تھی یا مجبوری خدا جانے، سب سے پہلے صدر کے طور پر ناروے کے بادشاہ کو اس تنظیم کا صدر بنایا گیا، حالانکہ ناروے میں آئینی ملوکیت تھی، اور بادشاہ عیسائی کیتھولک تھا، یہودیوں اور کیتھولکس کا پیار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، اسی شخص کی صدارت میں تنظیم نے 14 / مئی 1948ء میں اسرائیل کو ملک تسلیم کر لیا، فلسطین پر ہو رہے مظالم سے آنکھیں موند لیں قبضہ کرنے والوں کو مالک قرار دے دیا، اسی دوران 4 / جنوری 1948ء کو برما آزاد ہوا، راکھین الگ ملک تھا، تاریخ حقائق عیاں کرتے ہیں، اور آزادی میسر آنے کے بعد راکھین کے باشندہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے تھے، لیکن حالات نے ان کی چاہت کو پورا نہیں ہونے دیا، اقوام متحدہ کہاں تھا؟ کیوں ان لوگوں کا ساتھ نہیں دیا گیا؟ اقوام متحدہ کو آخر کس لئے بنایا گیا تھا؟ کیا یہ عالمی مسئلہ نہیں تھا؟ کیا اس کے حل کی ضرورت نہیں تھی؟ جب کہ مسلمانوں کے حقوق پر آزادی سے قبل بھی ڈاکے ڈالے جا رہے تھے، آگے بڑھئے 1961ء تا 1982ء مسلمانوں نے برما میں سخت ترین حالات دیکھے، اور 1961ء سے 1971ء تک اقوام متحدہ کا صدر او تھان نامی شخص برما کا باشندہ تھے، جہاں انسانی حقوق کا جنازہ نکل رہا ہے لوگوں کی آزادی سلب کر لی گئی، وہاں سے آپ پوری دنیا کو حقوق کی حفاظت کا پیغام دینے کا ڈھونڈ کیسے کر سکتے ہیں؟ کیا اقوام متحدہ زور نہیں ڈال سکتا تھا؟ طاقت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا؟ انسانوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے سختی نہیں برت سکتا تھا؟ او تھان کو عہدہ سے برخواست نہیں کر سکتا تھا؟ اگر یہ سب نہیں تو اقوام متحدہ کا کیا فائدہ ہے؟ کتنے لوگ ہیں جنہیں وہ ظلم سے بچا سکا ہے؟ یا پھر اس کا مقصد چند لوگوں کی مرضی کو قانون کے دائرے میں شامل کرنا ہے، اور مظلوموں سے بے توجہی برتنا ہے، جیسا کہ عیاں ہے، اور ہم اس سے امید لگائے بیٹھے ہیں، اقوام متحدہ سے امید کرنے کے بجائے تمام مسلم ممالک کو متحد ہو کر برمی مسلمانوں کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ مصنف کی ذاتی رائے ہے۔ ❍❖❍

تاریخ برما اور مسلم برما

بدھ مت کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ مسلمان برما میں باہر سے آئے ہیں اور اُنہیں برما سے بالکل اسی طرح ختم کردیں گے جس طرح اسپین سے عیسائیوں نے مسلمانوں کو ختم کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ برما کا ایک صوبہ ''اراکان'' وہ سرزمین ہے جہاں خلیفہ ہارون رشید کے عہدِ خلافت میں مسلم تاجروں کے ذریعہ اسلام پہنچا، اس ملک میں مسلمان بغرض تجارت آئے تھے اور اسلام کی تبلیغ شروع کردی تھی، اسلام کی فطری تعلیمات سے متاثر ہوکر وہاں کی کثیر آبادی نے اسلام قبول کرلیا اور ایسی قوت کے مالک بن بیٹھے کہ 1430 میں سلیمان شاہ کے ہاتھوں اسلامی حکومت کی تشکیل کرلی، اس ملک پر ساڑھے تین صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی، مسجدیں بنائی گئیں، قرآنی حلقے قائم کئے گئے، مدارس وجامعات کھولے گئے، ان کی کرنسی پر ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کندہ ہوتا تھا اور اس کے نیچے ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی ؓ نام درج ہوتا تھا۔

اس ملک کے پڑوس میں برما تھا جہاں بدھسٹوں کی حکومت تھی، مسلم حکمرانی بودھسٹوں کو ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے 1784ء میں اراکان پر حملہ کردیا، بالآخر اراکان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اسے برما میں ضم کرلیا اور اس کا نام بدل کر میانمار رکھ دیا۔ 1824ء میں برما برطانیہ کی غلامی میں چلا گیا، سوسال سے زائد عرصہ غلامی کی زندگی گذارنے کے بعد 1938ء میں انگریزوں سے خودمختاری حاصل کرلی، آزادی کے بعد انہوں نے پہلی فرصت میں ''مسلم مٹاؤ پالیسی'' کے تحت اسلامی شناخت کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی، دعاء پر حملے کئے، مسلمانوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا، چنانچہ پانچ لاکھ مسلمان برما چھوڑنے پر مجبور ہوئے، کتنے لوگ پڑوسی ملک بنگلادیش ہجرت کر گئے، مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر ملک فہد نے ان کیلئے ہجرت کا دروازہ کھول دیا، اس طرح ان کی اچھی خاصی تعداد نے مکہ میں بودوباش اختیار کرلی، آج مکہ کے باشندگان میں 25 فیصد اراکان کے مسلمان ہیں۔ اس طرح مختلف اوقات میں مسلمانوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا گیا، جو لوگ ہجرت نہ کرسکے ان کی ناکہ بندی شروع کردی گئی، دعوت پر پابندی ڈال دی گئی، اسلامی تبلیغ کی سرگرمیوں پر روک لگادی گئی، مسلمانوں کے اوقاف چراگاہوں میں بدل دیئے گئے، برما کی فوج نے بڑی ڈھٹائی سے ان کی مسجدوں کی بے حرمتی کی، مساجد ومدارس کی تعمیر پر قدغن لگادیا، لاؤڈ سپیکر سے اذان ممنوع قرار دی گئی، مسلم بچے سرکاری تعلیم سے محروم کیے گیے، ان پر ملازمت کے دروازے بند کردیئے گئے۔ 1982ء میں اراکان کے مسلمانوں کو حق

شہریت سے بھی محروم کر دیا گیا، اس طرح ان کی نسبت کسی ملک سے نہ رہی، ان کی لڑکیوں کی شادی کیلئے 25 سال اور لڑکوں کی شادی کیلئے 30 سال عمر کی تحدید کی گئی، شادی کی کاروائی کیلئے بھی سرحدی سیکوریٹی فورسیز سے اجازت نامہ کا حصول ناگزیر قرار دیا گیا، خانگی زندگی سے متعلقہ سخت سے سخت قانون بنائے گئے۔ ساٹھ سالوں سے اراکان کے مسلمان ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہیں، ان کے بچے ننگے بدن، ننگے پیر، بوسیدہ کپڑے زیب تن کئے قابل رحم حالت میں دکھائی دیتے ہیں، ان کی عورتیں مردوں کے ہمراہ کھیتوں میں رزاعت کا کام کر کے گذر بسر کرتی ہیں۔ لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ ایسے سنگین اور روح فرسا حالات میں بھی مسلمان اپنے دینی شعائر سے جڑے ہیں اور کسی ایک کے متعلق بھی یہ رپورٹ نہ ملی کہ دنیا کی لالچ میں اپنے ایمان کا سودا کیا ہو۔

جون کے اوائل میں مسلم مبلغ 10 مسلم بستیوں میں دعوت کیلئے گھوم رہے تھے اور مسلمانوں میں تبلیغ کر رہے تھے کہ بودھسٹوں کا ایک دہشت گرد گروپ ان کے پاس آیا اور ان کے ساتھ زیادتی شروع کر دی، انہیں مارا پیٹا، درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے جسموں پر چھری مارنے لگے، ان کی زبانیں رسیوں سے باندھ کر کھینچ لیں یہاں تک کہ دسیوں تڑپ تڑپ کر مر گئے، مسلمانوں نے اپنے علماء کی ایسی بے حرمتی دیکھی تو احتجاج کیا، پھر کیا تھا، انسانیت سوز درندگی کا مظاہرہ شروع ہو گیا، انسان نما درندوں نے مسلمانوں کی ایک مکمل بستی کو جلا دیا، جس میں آٹھ سو گھر تھے، پھر دوسری بستی کا رخ کیا جس میں 700 گھر تھے اسے بھی جلا کر خاکستر کر دیا، پھر تیسری بستی کا رخ کیا جہاں 1600 گھروں کو نذر آتش کر دیا اور پھر فوج اور پولیس بھی مسلمانوں کے قتل عام میں شریک ہو گئی۔ جان کے خوف سے 9 ہزار لوگوں نے جب بری اور بحری راستوں سے بنگلا دیش کا رخ کیا تو بنگلا دیشی حکومت نے انہیں پناہ دینے سے انکار کر دیا اور اس کے بعد سے بدھ مت کے دہشت گرد برمی فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مگر دنیا اس پر خاموش تھی، اور کوئی بھی عالمی ادارہ اس پر خبر تک دینے کو تیار نہ تھا مگر اسلامی دنیا میں مسلمانوں نے سوشل میڈیا کے ذریعے اس قتل عام کی تصاویر پھیلائیں اور عوامی احتجاج شروع ہوا تو پھر برما سے متصل بھارتی ریاست آسام میں بھی مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اسلامی دنیا میں مسلم عوام کے احتجاج کے بعد کچھ مسلم حکومتوں نے بھی اپنی تشویش ظاہر کی اور عالمی ادارے بھی اپنی رپورٹس جاری کر رہے ہیں۔

اسی سلسلے میں چھپن صفحات پر مشتمل اس رپورٹ کو جاری کرنے کا مقصد دنیا کی توجہ برما میں اقلیتی مسلمانوں کے خلاف جاری ریاستی تشدد کی جانب مبذول کروانا ہے۔ فل رابرٹسن کا کہنا ہے کہ برما کی حکومت

نیا امدادی کارکنوں اور صحافیوں کو متاثرہ علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں دی۔فل رابرٹسن کا کہنا تھا کہ جو بات مسلسل سامنے آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت ابھی تک پر تشدد واقعات کو روکنے میں ناکام رہی اور یہی وجہ تھی کہ دونوں اطراف کے لوگوں نے اپنے دفاع کیلئے مسلح ہونا شروع کر دیا ہے اور دونوں طرف سے ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔اقوام متحدہ نے ان واقعات کی تحقیقات کیلئے اپنا ایلچی برما روانہ کر دیا ہے۔فل رابرٹسن نے مطالبہ کیا کہ برما اقوام متحدہ کے ایلچی کو تحقیقات کیلئے مکمل رسائی اور معلومات کے حصول کیلئے سہولتیں فراہم کرے۔

برما کے علاقے رکھائین میں فرقہ وارانہ فسادات مئی میں ایک بدھ مت کی سابق پیروکار اور نومسلم خاتون کے قتل کے بعد شروع ہوئے۔مسلمانوں پر الزام تھا کہ انہوں نے اس خاتون کو مسلمان کیا جس کے بعد مسلمانوں کی ایک بس کو آگ لگا دی گئی۔فسادات کے دوران کئی مکان تباہ ہوئے اور ہزاروں افراد بے گھر۔بدھ مت کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ فسادات کا آغاز مسلمانوں نے ایک بدھ لڑکی کو مسلمان کر کے کیا۔ جبکہ برما کے صدر کے مطابق اس فرقہ وارانہ مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ یا تو مسلمانوں کو ملک بدر کیا جائے یا مہاجر کیمپوں میں منتقل کر دیا جائے۔

زہرا اُن روہنگیا مسلمانوں میں سے ایک ہیں جو برما کے مغربی صوبہ رکھنی میں فرقہ وارنہ تشدد کے بعد کسی طرح جان بچا کر سرحد پار کر کے بنگلہ دیش میں آ گئیں ہیں۔تیس سالہ زہرہ اپنی داستان سناتے ہوئے کئی بار رو پڑیں۔ان کا کہنا تھا کہ برما کے اکثریتی بدھوں اور اقلیتی مسلمانوں کے درمیان جھڑپوں کے دوارن ان کے گاؤں پر بھی حملہ کیا گیا۔اس حملے میں تقریباً اسّی لوگ ہلاک ہوئے اور سینکڑوں لوگ بے گھر ہو گئے۔انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والے اداروں کا کہنا ہے کہ اس واقعے کے بعد سے برما کی سکیورٹی فورسز کا بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے جس سے اقلیتی مسلم بڑے پیمانے پر نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں۔ برما کے حکام نے گزشتہ ماہ اس صوبے میں ہنگامی حالات کا نفاذ کیا تھا اور تب سے ایمرجنسی نافذ ہے۔برما میں چونکہ بیرونی صحافیوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے اس لیے ماورائے عدالت قتل، گرفتاریوں اور دیگر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے متعلق کی خبروں کی آزادانہ تحقیق مشکل ہے۔برما ان خبروں کی تردید کرتا ہے کہ اس کی سکیورٹی فورسز نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کی ہیں۔جون میں جھڑپوں کے بعد سے ہزاروں مہاجرین بنگلہ دیش میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔نقل مکانی کرنے والے بہت سے برمی باشندے کشتیوں میں سوار ہو کر خلیج بنگال سے دریائے ناف کو عبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو بنگلہ دیش اور برما کے درمیان واقع ہے۔زہرہ خان نے بتایا ’ہم چھ روز تک پانی میں ہی پھرتے رہے۔ہم اپنے بچوں کو کئی دن کھانا تک نہیں کھلا سکے۔جب ہم نے

بنگلہ دیش پہنچنے کی کوشش کی تو ہمیں اس کی اجازت نہیں ملی، ہمیں نہیں معلوم کہ ہم پناہ کہاں لیں۔

مغربی برما میں تقریباً آٹھ لاکھ روہنگیا مسلمان آباد ہیں۔ برما کے حکام کا دعویٰ ہے کہ روہنگیا حال ہی میں برصغیر سے نقل مکانی کر کے وہاں پہنچے ہیں اس لئے انہیں برما میں رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن ڈھاکہ کا اصرار ہے کہ ان لوگوں کا تعلق برما سے ہے اس لیے بنگلہ دیش میں انہیں آنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس کا کہنا ہے کہ تقریباً چار لاکھ روہنگیا پہلے ہی سے غیر قانونی طور پر بنگلہ دیش میں رہ رہے ہیں۔ جون سے اب تک بنگلہ دیش نے پندرہ سو سے زیادہ برمی مسلمانوں کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا ہے کہ ان کی مدد کرنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ لیکن زہرہ خان کی طرح کئی دیگر مہاجرین کسی طرح بنگلہ دیش میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ لیکن اجڑے ہوئے برمی مسلمانوں کے بنگلہ دیش میں داخلے کو روکنے کیلئے بنگلہ دیشی بارڈر سکیورٹی فورسز نے گشت میں اضافہ کر دیا ہے۔ سرحدی گارڈز کے لیفٹنٹ کرنل زاہد حسن کا کہنا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کو روکنے کیلئے دریائے ناف میں گشت بڑھا دیا گیا ہے۔ 'اس سے ہمارے معاشی اور سماجی استحکام پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ اگر یہ نقل مکانی جاری رہی تو استحکام کو خطرہ پیدا ہو جائیگا۔

لیکن برما کے مسلمان مجبور ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب بدھ اکثریت نے ان کے گاؤں کا نشانہ بنایا تو سکیورٹی فورسز نے ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ سیدہ بیگم کہتی ہیں 'فساد میں میرے شوہر کو ہلاک کر دیا گیا۔ برما کی پولیس صرف مسلمانوں پر گولی چلا رہی تھی اور بدھوں پر نہیں۔ فوج چھت پر سے تماشہ دیکھ رہی تھیں لیکن اس نے مداخلت تک نہیں کی۔' تو برما کے مسلمان اس کشمکش میں مبتلا ہیں کہ اپنے ملک میں وہ محفوظ نہیں اور پڑوسی ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ جو بنگلہ دیش میں ہیں بھی وہ کیمپوں میں اور انہیں غیر ملکی مانا جاتا ہے۔ وہ جن کیمپوں میں مقیم ہیں وہاں بجلی اور پانی جیسی بنیادی ضروریات بھی نہیں ہیں۔ برما کے صدر تھین سین نے اس بارے میں حال ہی میں ایک بیان جاری کر کے برمی مسلمانوں کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا کہ ان مسلمانوں کو کسی تیسرے ملک میں آباد کرنا چاہیے اور وہ انہیں برما میں رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ روہنگیا مسلمان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا تعلق برما سے ہے اور وہ اس شرط پر اپنے ملک جانے کیلئے تیار ہیں اگر ان کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ کوکس بازار کے پاس کوٹو پلانگ کیمپ میں رہنے والے روہنگیا مسلمان احمد حسن کہتے ہیں: ہمیں صدر کے بیان پر تشویش ہے۔ ہمارا تعلق برما سے ہے اور ہم اپنے گاؤں واپس جانا چاہتے ہیں۔ مہاجر کیمپ میں اس طرح رہنا بہت مشکل ہے۔ ہم برما جانے کو تیار ہیں اگر ہماری سکیورٹی کی ضمانت دی جائے۔ اگر برما تمام مسلمانوں کو ملک سے نکال دیتا ہے تو یہ اسپین کے بعد دوسرا اسلامی ملک ہوگا جہاں سے مسلمانوں کا بزور خاتمہ کر دیا جائے گا۔ ❍❖❍

سیلاب متاثرین کیلئے

جمعیۃ علماء بہار کی جانب سے اب تک 3,000

ضلعی جمعیۃ کے تعاون سے مزید ڈھائی ہزار کٹس کی تقسیم، کمبلوں کی تقسیم کا بھی اعلان

ارریہ میں عنقریب نئے کالونی کی تعمیر جلد، اہل خیر حضرات کو آگے آنے کی اپیل

جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی صدارت میں اہم نشست

~~سیمانچل سمیت شمالی بہار میں آئے بھیانک اور قیامت خیز سیلاب کی تباہی نے عام انسانوں~~ کے ساتھ جو دشواریاں پیدا کردی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔اس کی راحت رسانی کیلئے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم جناب حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم ، جنرل سکریٹری جناب حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایات کے مطابق جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، دامت برکاتہم ،اور جنرل سکریٹری جناب حضرت مولانا محمد ناظم صاحب اور مقامی یونیٹوں، جمعیۃ علماء ہند کی ضلعی شاخوں کے ذریعہ سیلاب متاثرین کیلئے اول دن سے ہی وقتی راحت و بچاؤ میں لگے ہوئے ہیں اور صرف جمعیۃ علماء بہار کی جانب سے اب تک تین ہزار سے زائد فوڈ پیکٹس تقسیم کئے جا چکے ہیں؛ جبکہ جہان آباد، گیا، مونگیر، سیتامڑھی، کھگڑیا میں موجود یونیٹوں ،اور جمعیۃ علماء کی ضلعی شاخوں کے تعاون سے مزید ڈھائی ہزار کٹس تقسیم کئے گئے۔اور سیلاب زدگان کے لئے عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا بھی نظم کیا گیا، مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے بھی اب تک ہزاروں کی تعداد میں فوڈ پیکٹس تقسیم کئے گئے ہیں، قربانی کا بھی نظم کیا گیا۔اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

اس میں مزید تیزی لانے اور وقتی راحت رسانی کے ساتھ باز آبادکاری کی طرف لوگوں کو توجہ دینے اور دیگر پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کرنے کیلئے جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، جمعیۃ علماء بہار کے وفد کے ساتھ بھاگلپور کے مختلف مقامات کا دورہ کیا، وفد میں جناب مولانا محمد ناظم صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار، مولانا محمد سالم، مولانا فاروق، قاری عبدالدیان شریک تھے، یہاں حاجی عبیداللہ صاحب خازن جمعیۃ علماء بہار، جمعیۃ علماء بھاگلپور کے جنرل سکریٹری مولانا اسجد ناظری صاحب سے ملاقات کی اور صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی صدارت میں ایک نشست بھی منعقد

ہوئی، جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم، اور دیگر شرکاء وفد کے ساتھ ساتھ مفتی محمد الیاس صاحب استاذ حدیث مدرسہ اصلاح المسلمین چمپانگر بھاگلپور، مولانا اسجد ناظری جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بھاگلپور، اور دیگر علماء کرام اس نشست میں شریک ہوئے۔ سیلاب کی وجہ سے آئی تباہی کا جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار نے بھرپور تذکرہ کرتے ہوئے کہا: گرچہ سیلاب کا پانی ختم ہوگیا ہے، مگر وہ دشواریاں اب بھی برقرار ہیں، کشن گنج، پورنیہ، کٹیہار، ارریہ کا علاقہ جو کسانوں، مزدوروں، اور خط افلاس سے نیچے زندگی گذارنے والے لوگوں پر مشتمل ہے۔ کھیتی، اور اس سے پیدا شدہ اناج اور غلہ جات ہی ان کا اثاثہ تھا وہ سیلاب کی نذر ہو چکا ہے۔

کشن گنج، پورنیہ، ارریہ اور کٹیہار کے مختلف مقامات میں جا کر دیکھنے کے بعد لگتا ہے یہاں کے لوگ دس سال پیچھے چلے گئے ہیں۔ سرکاری سطح پر جو پیکیج کا اعلان ہوا ہے وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ہی نہیں ایک مزاق بھی ہے۔ اتنی بڑی تباہی کو دیکھ کر جو اعلان ہوا ہے اس کا 20 ر گونا زیادہ اعلان ہونا چاہئے۔ اعلان کے مطابق دو چار ہزار روپئے سے اگر مدد بھی ہو جائے؛ لیکن ظاہر ہے اس کے ذریعہ نقصانات کی تلافی نہیں ہو پائے گی۔ جن کے گھر بالکل ہی ٹوٹ گئے ہیں، یا بہہ گئے ہیں ان کی باز آبادکاری کی سخت ضرورت ہے۔

واضح رہے کہ جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اب بھی سیلاب متاثرین کیلئے بہت زیادہ فکرمند ہیں۔ جمعیۃ علماء بہار کی جانب سے کمبلوں کی بھی تقسیم کی جائے گی، اس کیلئے تیاریاں شروع کردی گئی ہیں، سیلاب متاثرین کے بیچ فوڈ پیکٹس تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ جمعیۃ علماء بہار کی جانب سے پورنیہ کے مختلف مقامات میں میڈیکل کیمپ کا بھی انعقاد ہو چکا ہے۔ ضلع ارریہ میں سب سے زیادہ تباہی ہے اس کے پیش نظر ایک کالونی بھی بسانے اور بنانے کی بھی تیاری چل رہی ہے۔ سروے کے بعد اس پر فوری طور پر کام شروع کردیا جائے گا انشاءاللہ۔

جمعیۃ علماہند اور جمعیۃ علماء بہار کے خدام، رفقا قابل مبارکباد ہیں، جگہ جگہ جانے پر لوگ جمعیۃ علماہند، جمعیۃ علماء بہار اور ان کے خادموں کی خدمات اور سیلاب سے متاثرین کیلئے ان کی کوشوں کا بھرپور تذکرہ کرتے ہیں۔ اللہ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء بہار کے پلیٹ فارم سے انہوں نے سیلاب زدگان کیلئے جو قربانی پیش کی ہے وہ لائق تحسین ہے، اور قابل تقلید بھی۔ جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے ضلع بھاگلپور کی ضلعی جمعیۃ کو مختلف ہدایات بھی دیں، اور بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی طرف توجہ دلائی۔ آپ کی دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔

مدنی مسجد معہد ارشد اطہر نگر کوروڈیہہ کے چھت کی ڈھلائی مکمل

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کی شاخ معہد ارشد اطہر نگر کوروڈیہہ تعلیم وتربیت میں مصروف

(۲۷ر ستمبر) معہد ارشد اطہر نگر کوروڈیہہ ضلع بھاگلپور کی مدنی مسجد کے صحن کے چھت کی ڈھلائی آج مکمل ہوگئی، اس موقع پر جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم صاحب قاسمی، مولانا محمد سالم، مولانا فاروق، معہد ارشد کے مہتمم مولانا محمد عاصم، مولانا سعد الرحمٰن، مولانا عامر الدین قاسمی، مولانا عطاء الرحمٰن، حافظ سعود اور محلّہ کوروڈیہہ اور قرب وجوار کے علماء اور طلبہ مدارس اور بوڑھے بزرگوں کے علاوہ معہد ارشد کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت فرمائی، گیارہ بجے کے قریب جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی دعاء سے صحن مسجد کے چھت کی ڈھلائی کا آغاز ہوا، واضح رہے کہ ضلع بھاگلپور سے جانب مشرق وجنوب ۱۵ر کیلومیٹر کے فاصلہ پر کثیر مسلم آبادی پر مشتمل ایک تاریخی بستی کوروڈیہہ واقع ہے۔ جس میں شروع سے ہی بزرگان دین اور علماء کبار تشریف لاتے رہے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، جناب حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، جناب حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری، صدر جمعیۃ علماء ہند، جناب حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند وغیرہ اکابر نے بھی اس گاوں میں تشریف لاکر ذرہ نوازی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ مدنی خاندان سے والہانہ عقیدت مندوں کی کثیر تعداد آج بھی اس گاوں میں موجود ہیں۔ سال 2005 میں جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی اور جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے اس گاوں میں تعلیمی بیداری کو عام کرنے اور ہر گھر تک تعلیم پہونچانے کی غرض سے اپنے استاذ محترم، حضرت شیخ الاسلامؒ کے صاحبزادہ جناب حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، صدر جمعیۃ علماء ہند کے نام سے جمعیۃ علماہند صدر محترم جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری، دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے دست مبارک سے معہد ارشد اطہر نگر کوروڈیہہ کا قیام عمل میں لایا تھا۔، اور تعلیمی بیداری کی شروعات کی، اسی کے ساتھ مدنی مسجد کی بنیاد بھی ڈالی۔ جس کے چھت کی ڈھلائی ہوچکی تھی؛ مگر صحن کی ڈھلائی باقی تھی، جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی جہد مسلسل سے اس کی بھی تکمیل ہوگئی، کثیر مشغولیات کے باوجود جمعیۃ علماہند صدر محترم جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند معہد ارشد اطہر نگر کوروڈیہہ کی تعلیم وتربیت کی نگرانی اور سرپرستی فرماتے رہے ہیں۔ وہ تمام مصروفیات کے باوجود سال میں ایک مرتبہ ضرور تشریف لاکر مدرسہ ہذا کے سلسلہ میں رہنمائی اور ہدایات جاری فرماتے رہتے ہیں۔ دعاء فرمائیں اللہ ادارہ ہذا کو ترقیات سے نوازے۔ آمین

شب وروز جامعہ

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں تعطیل عیدالاضحیٰ کے بعد تعلیم کا آغاز

بانی جامعہ مدنیہ کی صدارت میں اساتذہ کی مشاورتی نشست کا انعقاد، تعلیمی صورت حال، اوراس کی ترقی پر غور

شہر پٹنہ، عظیم آباد کا مشہور ومعروف ادارہ جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے بعد آج تعلیم کا آغاز ہوگیا، طلبہ اوراساتذہ کی آمد ہوتے ہی جامعہ مدنیہ میں پھر سے وہ رونق واپس آ گئی، اس موقع پر جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی اور جمعیۃ علماء بہار کے صدرمحترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی صدارت میں جامعہ مدنیہ کے اساتذہ کی ایک مشاورتی نشست بھی منعقد ہوئی، جامعہ ہذا کی تعلیمی صورت حال کے ساتھ ساتھ تعلیمی ترقی پرغور وفکر کیا گیا، اوراہم فیصلے لئے گئے، واضح رہے کہ جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ ایک دینی، ملی اور تعلیمی ادارہ ہے، جس کی بنیاد 1989ء میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے ڈالی تھی، اور 1990ء میں بھاگلپور کے فسادزدہ مظلومین کے چار بچوں اوردوسوروپے سے تعلیم کا آغاز وافتتاح ہوا تھا، اللہ تبارک وتعالی کے فضل وکرم سے مختصراور قلیل عرصہ میں جامعہ نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی، فی الوقت جامعہ ہذا میں سات سو طلبہ 45 ر اساتذہ وملازمین کی زیرنگرانی تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں۔

اس مشاورتی نشست میں اساتذہ کے ذریعہ بانی جامعہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے وقت پر حاضر ہونے والے اورحاضر نہ ہونے والے طلبہ کا جائزہ بھی لیا، اورتعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کے تمام پہلوؤں پرغور وفکر کرتے ہوئے اہم امور کی طرف توجہ بھی دلائی، اورطلبہ کے بارے میں کئی ہدایات بھی دیئے۔ جمعیۃ علماء بہار کے صدرمحترم نے ملک کے امن کیلئے وامان اور دیگر اُن حضرات کی صحت وعافیت اور مقاصد میں کامیابی کیلئے رقت آمیز دعاء فرمائی جنہوں نے جامعہ مدنیہ کے طلبہ سے دعاء کرانے کیلئے کہا تھا، اللہ تبارک تمام امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے، آمین

عامرسبحانی صاحب کی چچی، اورایم پی تسلیم الدین کا انتقال؛ عظیم خسارہ

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں ایصال ثواب کا اہتمام، چچی مرحومہ کی نماز جنازہ پڑھائی مولانا محمد قاسم نے

آئی ایس آفیسراورمحکمہ داخلہ کے پرنسپل سکریٹری جناب عامرسبحانی صاحب کی چچی اورموڈل کالونی داناپور پٹنہ کے جناب فیاض احمد صاحب کی اہلیہ اس دارفانی سے کوچ کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون، خبر ملتے ہی

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

واضح رہے کہ جناب فیاض احمد صاحب شروع سے ہی جامعہ مدنیہ کے مخیّر اور معاون رہے ہیں، موڈل کالونی داناپور کے مختلف مقامات میں جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا کھل کر انہوں نے تعارف بھی کرایا اور ابھی بھی وہ جامعہ مدنیہ کے بڑے ہی ہمدرد اور بہی خواہ ہیں، گذشتہ کل جب جناب فیاض احمد صاحب کی اہلیہ اندرا گاندھی اسپتال میں تھی، خبر ملتے بانی جامعہ اور جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب ایک وفد کے ساتھ ان کی عیادت کیلئے گئے تھے، مگر عمر نے وفا نہ کی اور وقت موعود آپہونچا اور آج وہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئی، مغرب کی نماز کے بعد موڈل کالونی میں مولانا موصوف نے جنازہ کی نماز پڑھائی، موصوف نے اس موقع پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی مغفرت اور ترقیات درجارت کیلئے دعاء فرمائی، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم صاحب قاسمی، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار، جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب صدر مدرس جامعہ مدنیہ اور دیگر اساتذہ جامعہ نے بھی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت کی دعاء فرمائی۔

واضح رہے کہ آج ہی سیمانچل گاندھی سے مشہور، سینئر سیاسی رہنما اور ایک قدآور لیڈر، ارریہ لوک سبھا سے ایم پی جناب الحاج تسلیم الدین صاحب بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے، مرحوم سیمانچل کے گاندھی اور غریبوں کے مسیحا کے طور پر جانے جاتے تھے، نہ صرف مسلمان بلکہ دوسروں میں بھی اتنے ہی مقبول تھے، وہ کشن گنج لوک سبھا سے بھی ایم پی رہے، جب بھی رہے قوم وملت کیلئے انہوں نے بڑا کام کیا، وہ کام کرتے تھے اور کام کرنے پر ہی یقین رکھتے تھے، اسی لئے لوگوں کے ہر دل عزیز تھے، ان کا انتقال یقیناً ایک عظیم خسارہ ہے، خبر ملتے ہی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔ اللہ دونوں مرحومین کے قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی نانی کا انتقال؛ جامعہ میں ایصال ثواب، آپ سے بھی درخواست

جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم اور جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم صاحب کی نانی اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ واضح رہے کہ مرحومہ؛ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی والدہ مرحومہ کی ممانی جان تھیں، صوم و صلوۃ کی پابند، ملنسار اور نیک خاتون تھیں، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا، آپ سے بھی دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلی مقام پر فائز کرے۔ نیز جناب توصیف عالم صاحب شہر یا پورنیہ کا بھی انتقال ہوا، ان کیلئے بھی دعاء کی درخواست ہے۔ آمین ○ ❖ ○

روشنی

آندھی اور تیز وتند ہوا کے وقت کی دعا

تیز وتند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمت الٰہی۔اس لئے خداشناس اور خداپرست بندوں کو چاہیئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں،تو وہ جلال خداوندی کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دعا کرتے تھے:''**اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رَحْمَةً وَلَاتَجْعَلْھَاعَذَابًااَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَارِیَاحًاوَلَاتَجْعَلْھَارِیْحًا**'' اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامان حیات ہو،عذاب اور سامان ہلاکت نہ ہو،یہ وہ نہ ہو جس کو قرآن نے ''ریح'' کہا ہے،وہ ہو جس کو ''ریاح'' کہا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب تیز وتند ہوا چلتی اور آندھی کی کیفیت ہوتی تو اس طرح دعا کرتے:**اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَافِیْھَاوَخَیْرَمَااُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَاوَشَرِّمَافِیْھَاوَشَرِّمَااُرْسِلَتْ بِہٖ**''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس ہوا کی خیر وبرکت،اور اس میں جو کچھ مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی جارہی ہے اس کی خیر وبرکت،اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی گئی ہے اس کے شر اور بُرے اثرات سے۔اور جب آسمان پر اَبر گھر کے آتا تو اللہ کے قہر وجلال کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہوجاتا کہ آپ کا رنگ بدل جاتا،کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے،کبھی آگے بڑھتے،کبھی پیچھے ہٹتے،پھر جب خیریت سے بارش ہوجاتی تو آپ کی یہ کیفیت ختم ہوتی۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس کیفیت کو محسوس کیا تو آپ سے پوچھا کہ: آپ کا یہ حال کیوں ہوجاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: آسمان پر اَبر دیکھ کے مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس قسم کا اَبر نہ ہو جسے اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے علاقے پر برس کے ہماری کھیتیوں کو شاداب کریگا۔حالانکہ وہ عذاب کا بادل تھا جو ان کی مکمل تباہی و بربادی کا سامان لے کر آیا تھا۔